

ماہنامہ
مسلمان بچے
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
لاہور
پاکستان
202
ذی الحجۃ ۱۴۴۵/جون 2024
www.musalmanbachay.com
ایک بھولا
ہوا سبق



فیصلے کی گھڑی



سلطان ٹیپو شہید، بوجھ بجھکڑ اور رازِ سربستہ
مزید ڈھیروں دلچسپ رنگارنگ کہانیاں
قربانی اور کشمیر
AND WITH
ASHMIR

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی، اخلاقی، تعلیمی اور تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

ذی الحجۃ ۱۴۴۵ھ بمطابق جولائی 2024ء

شمارہ: 12 جلد: 17

قیمت فی شمارہ: 70 روپے

سالانہ زرتعاون = /840 روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبۃ ابنِ مبارک
37۔ حق سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور
موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں









فیصلے کی گھڑی	اُمِ عبداللہ	10
ہماری پیاری گائے	جاوید اقبال	16
شہید.....شہید	جویریہ فاروقی	19
قربانی کا رنگ	محمد فیصل علی	22
میرے مہکتے پھول	عاتکہ فاروق	25
قربانی اور کشمیر	عشوا رانا	40
تحفہ	عمار حسین	43
انوکھا خبرنامہ	سید اعجاز	46
انوکھا سفر	دانیال حسن	48
نیکیوں کا غبار	بنت احمد	56
کون سے کھیل	بنت سید اعجاز شاہ	59
لاڈلے بکرے میاں	آمنہ خورشید	61
بہادری کا صلہ	رافعہ میمونہ	64
ٹیپو سلطان شہیدؒ	عبدالحفیظ امیرپوری	69

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ.....

فرمان باری تعالیٰ

"بے شک بامراد ہوگیا وہ شخص جو (برائیوں سے) پاک ہوا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا (مگر تم لوگ قرآن پاک کی نصیحتوں پر عمل ہی نہیں کرتے) بلکہ تم تو دنیوی زندگی کو (آخرت کی زندگی پر) ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے کہیں زیادہ) بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یہی مضمون اگلے صحیفوں میں ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ (علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے صحیفوں میں۔"

(سورۃ اعلیٰ)

حمد باری تعالیٰ

تیری ذات پاک ہے یا خدا
نہیں کوئی تجھ سا بھی دوسرا
تیری شان جلّ جلالہ
تو خدا غریب و امیر کا
تو سہارا شاہ و فقیر کا
تیری شان جلّ جلالہ
تو ہے ساری دنیا کا آسرا
جسے چاہے تو وہ جلیل ہو
تیری شان جلّ جلالہ
جسے چاہے تو وہ ذلیل ہو
کرے کون تجھ سے مقابلہ
تیری شان جلّ جلالہ

فرمان رسول اکرم ﷺ

شبیب بن ابی روحؒ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپ نے سورۃ روم شروع کی تو آپ کو اس میں اشتباہ ہوگیا اور خلل پڑ گیا، جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ) اچھی طرح نہیں کرتے، بس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں خلل ڈالتے ہیں۔

(سنن نسائی)

نعت رسول مقبول ﷺ

کیا کروں عرض تری شان، میں قرباں جاؤں
دونوں عالم کی ہے تو جان، میں قرباں جاؤں
انبیاء یوں تو بہت آئے جہاں میں لیکن
تجھ پہ نازل ہوا قرآن، میں قرباں جاؤں
تیرے در پر تو بنے بیٹھے ہیں سلطاں بھی فقیر
تو ہے سلطانوں کا سلطان، میں قرباں جاؤں
جو ہے سردار ملائیک وہی جبرائیل امیں
تیرا حاجب تیرا دربان، میں قرباں جاؤں
اک پیالہ تھا تو اک بوریا اے شاہ امم
تیری پونجی ترا سامان، میں قرباں جاؤں
تجھ سے پیاری میں رکھوں جان تو کیسا ایمان
تجھ پہ لایا ہوں میں ایمان، میں قرباں جاؤں



ایک دُعا یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ، وَشُكْرِكَ، وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

یا اللہ! اپنا ذکر کرنے، شکر کرنے اور بہتر انداز میں اپنی عبادت کرنے میں میری مدد فرما۔

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب رات کو آپ تہجد کے لئے اُٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن مبارک کی خوب صفائی کرتے۔ (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہوتے)

(صحیح بخاری و مسلم)

بے لوث قربانی

عید قرباں اصل میں ایثارِ ابراہیم ہے
آج بھی زندہ وہی کردارِ ابراہیم ہے
درحقیقت وہ خدا کے حکم کے پابند تھے
وہ خلیل اللہ تھے بیشک سعادت مند تھے

خواب میں جو کچھ بھی دیکھا سب بتایا من وعن
پھر کہا بیٹے سے اب قربان کردے جان وتن
خواب خود بے تاب تھا تعبیر پانے کے لئے
اور اسمٰعیل بھی راضی تھے آنے کے لئے

پھر ہوا کچھ یوں کہ دونوں باپ بیٹے چل پڑے
دفعتاً انوارِ رحمت کے دیئے بھی جل پڑے
ان کی خاطر تحفتاً جنت سے مینڈھا آ گیا
وہ مقدس خواب بھی تعبیر اپنی پا گیا

عقل حیراں تھی کہ کیا ہونا تھا اور یہ کیا ہوا
مطمئن تھا دل کہ جو کچھ بھی ہوا اچھا ہوا
اس کی حکمت کون جانے کیا اسے مقصود ہے
وہ خدا ہے ممتحن ہے بس وہی معبود ہے

ذکرِ ربانی کریں گھر گھر کو نورانی کریں
ہم پہ لازم ہے کہ ہم بے لوث قربانی کریں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

عید الاضحیٰ مبارک

تقبل اللہ منا و منکم صالح الاعمال - کل عام و انتم بخیر

''افضل ایام الدنیا'' سال کے سب سے افضل ایام عشرۃ ذی الحجہ نصیب ہوئے۔ الحمدللہ

اللہ تعالیٰ ان ایام کو شایان شان طریقے سے گزارنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

رمضان المبارک آتا ہے تو ہر درجے کا مسلمان اعمال کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ دینی معمولات میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور لاتا ہے۔ کوشش کرتا ہے کہ نیکیوں کے ذخیرے میں اضافہ کرے۔ گناہ ترک کرنے کی فکر بھی پیدا ہوتی ہے۔ صرف انفرادی سطح پر نہیں معاشرتی سطح پر بھی بہت سی تبدیلیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ زیادہ ترغیب کی اور توجہ دلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دن بھی اور راتیں بھی اعمال سے آباد ہو جاتے ہیں۔

جبکہ یہ ایام یعنی ذوالحجہ کے پہلے دس دن جنہیں حدیث شریف میں سب سے افضل ایام کا اعزاز دیا گیا ہے اور اکثر مفسرین کرام کے قول کے مطابق ان کی راتوں کی تو قرآن مجید کی سورۃ الفجر میں قسم کھائی گئی ہے۔ ہر سال آتے ہیں گزر جاتے ہیں لیکن نہ تو انفرادی سطح پر کوئی دینی سرگرمی نظر آتی ہے نہ معاشرتی سطح پر کوئی ایمانی مناظر دکھائی دیتے ہیں۔

وجہ کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ رمضان المبارک کے فضائل پر کثرت سے بات ہوتی ہے۔ آمد سے پہلے ہی اس کا ذکر عام ہو جاتا ہے۔ گھروں میں اعمال کا ماحول بن جاتا ہے تو بچے بغیر کسی تعلیم کے خود بخود سیکھ لیتے ہیں کہ رمضان المبارک تبدیلی کا مہینہ ہے اور اس میں اعمال کی کثرت کرنا ایمان کی علامت ہے۔ جبکہ عشرہ ذی الحجہ سے متعلق بات نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے اس لیے نہ ماحول بنتا ہے نہ ان ایام کی اہمیت ہماری دین تربیت میں شامل ہوتی ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کے لیے ایک محرومی کی بات ہے کہ اتنے بڑے دن اور راتیں گزر جاتے ہیں اور ہم ان سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔ چلیں اب تک جو زندگی اس شعور کے بغیر گزر گئی اس

پر توبہ کر لیتے ہیں اور اب سے فائدہ مند بنانے کی ترتیب بنالیتے ہیں چند کام کر لیتے ہیں:

(الف) ان ایام کے فضائل کو دل لگا کر بغور پڑھ لیتے ہیں۔

اس کے لئے حضرت امیر محترم حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''افضل ایام الدنیا'' کا ایک بار اہتمام سے مطالعہ کر لیں اور اگر گھروں میں اس کی تعلیم کی ترتیب بنالی جائے تو سونے پر سہاگہ ہو جائے۔

(ب) ان ایام کے خصوصی احکام کا علم حاصل کر لیں اور ان پر عمل کی کوشش کریں۔

(ج) ان ایام میں عبادات کی کثرت کی گھروں میں اور باہمی تعلقات کے حلقے میں منظم ترتیب بنا لیں۔خصوصاً روزوں کا اہتمام اور رات میں تہجد کا معمول، یوم عرفہ کا روزہ تو ہرگز نہ چھوٹنے پائے۔

(د) دل میں قربانی کی عبادت کا شوق جگائیں، ذوق وشوق سے قربانی کی عبادت بجالینے کی کوشش کریں اور خالص نیت اور محبت کے ساتھ قربانی کرنے کا عزم، اس حوالے سے نہ تو گمراہ کن باتوں پر توجہ کریں نہ ہی اس عبادت کو بوجھ سمجھیں۔قربانی کے مقاصد کو ذہن میں رکھ کر انہیں بجالانے کی سعی کریں۔

(ھ) امت مسلمہ کے حالات پر گہری نظر رکھیں۔دل مظلوم مسلمانوں کے ساتھ جوڑ کر رکھیں اور ان ایام میں خصوصاً ان کے لئے دعاؤں کا اہتمام کریں اور جس قدر ممکن ہو تعاون وتناصر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو اسامہ

فیصلے کی گھڑی

ام محمد عبداللہ



”ان سب کو ایک کونے میں اکٹھا کر کے آگ لگا دو!“ سلمان صاحب نے لان میں جا بجا جھاڑ جھنکار، سوکھے اور خود رو پودوں کی جانب اشارہ کیا



”ادھر پھولوں کی نئی پنیری اور بیج رکھے ہیں، انہیں بھی لگا دو!“ انہوں نے مالی کو مزید ہدایات دیں

”جی صاحب جی! ان بیکار پودوں کا کیا کرنا؟ لان کی ساری خوبصورتی ان کی وجہ سے ماند پڑی ہے۔ میں ابھی ان کو تلف کر کے ان کی جگہ نئے پودے لگاتا ہوں۔ کچھ ہی دنوں میں یہ اپنی بہار دکھا رہے ہوں گے۔ ان شاءاللہ“

مالی کی بات سن کر سلمان صاحب مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی کی جانب بڑھے۔ دفتر پہنچنے سے پہلے انہیں بچوں کو اسکول بھی چھوڑنا تھا۔

گاڑی ٹریفک رش کے باعث سڑک پر

سست روی سے چل رہی تھی۔

"آئی آئی coke Studio 15"

سلمان صاحب کا بیٹا عمار سڑک پر لگے بڑے سائز کے بل بورڈ پر کوک سٹوڈیو سے متعلق اشتہار دیکھ کر خوشی سے بتانے لگا:

"کوک سٹوڈیو ہم سب دوستوں کا پسندیدہ پروگرام ہے"

"میں بھی اسکول کے ایک پروگرام میں آئی آئی پر پرفارم کر رہی ہوں۔"

ان کی چھوٹی بیٹی ہالہ بھی پر جوش ہوئی۔

"ہاں! اب تو مالی بابا اور ڈرائیور انکل کے بچے جس اسکول میں جاتے ہیں وہاں ان کے لیے میوزک اینڈ ڈانس کلاسز ارینج ہو رہے ہیں لیکن پتا نہیں کیوں مالی بابا کل ڈرائیور انکل سے کہہ رہے تھے کہ اگر اسکول والوں نے ان کی بیٹی کو ناچ گانے میں حصہ لینے پر مجبور کیا تو وہ اسے اسکول سے اٹھالیں گے۔"

عمار نے بہن کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"بچو! آپ کا اسکول آ گیا ہے۔" سلمان صاحب نے بچوں کو اسکول چھوڑ کر گاڑی اپنے آفس کی جانب موڑ دی۔

خبریں سننے کے لیے انہوں نے گاڑی میں لگی اسکرین آن کی تو خبر چل رہی تھی۔

"غزہ میں اسرائیلی مظالم کے خلاف امریکا کی بڑی یونیورسٹیوں میں احتجاج اور مظاہرے جاری ہیں جواب یورپ میں بھی پھیل گئے ہیں۔

خبر رساں اداروں کی رپورٹس کے مطابق طلبہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات رکھتے ہوئے کمپنیوں اور شخصیات کا بائیکاٹ کا مطالبہ کر رہے ہیں

7 اکتوبر سے غزہ میں جاری جنگ کے بعد یونیورسٹیوں میں تناؤ بڑھتا جا رہا ہے، جس کے بعد یہ مظاہرے اب یورپ میں بھی بڑے پیمانے پر پھیلتے جا رہے ہیں۔

آسٹریلیا میں سڈنی یونیورسٹی میں طلبہ نے احتجاجی کیمپ لگا لیے، آسٹریلوی وزیراعظم کی اسرائیل اور غزہ سے متعلق پالیسی کے خلاف نعرے بازی کی، طلبہ نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اسرائیل سے منسلک کمپنیوں سے علیحدگی اختیار کی جائے۔

پیرس میں درجنوں طلبہ نے سوربون یونیورسٹی کے باہر شدید احتجاج کیا، جرمنی میں بھی پارلیمنٹ کے باہر غزہ کے حق میں لگائے گئے کیمپ پر پولیس نے دھاوا بول دیا۔

یاد رہے کہ اس وقت امریکا کی جن یونیورسٹیوں میں احتجاج کیا جا رہا ہے ان میں کولمبیا یونیورسٹی، یونیورسٹی آف سدرن کیلیفورنیا، آسٹن میں یونیورسٹی آف ٹیکساس، جارج واشنگٹن یونیورسٹی، ہارورڈ یونیورسٹی، کیلیفورنیا اسٹیٹ پولی ٹیکنک یونیورسٹی شامل ہیں۔

اس کے علاوہ ایمرسن کالج، نیویارک یونیورسٹی، ایموری یونیورسٹی، نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی، ییل یونیورسٹی، فیشن انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، سٹی کالج آف نیویارک، انڈیانا یونیورسٹی بلومنگٹن، مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی ایسٹ لانسنگ کیمپس میں بھی مظاہرے کیے گئے۔

کولمبیا یونیورسٹی پہلی یونیورسٹی ہے جہاں طلبہ کی بڑی تعداد نے احتجاج کیا۔"

بین الاقوامی خبروں کے بعد اب قومی و علاقائی خبریں اسکرین کی زینت بن رہی تھیں۔

"حکومت پنجاب نے تعلیمی اداروں میں گانے کے مقابلے کروانے کا شیڈول جاری کر دیا۔ طلباء کو اچھی گائیگی پر 20 ہزار سے 2 لاکھ تک انعامات بھی دیے جائیں گے۔"

آفس پارکنگ میں گاڑی روکتے ہوئے ان کے ذہن میں آئندہ ہفتے بیرون ملک سے آنے والی ٹیم کے ساتھ ہونے والی ایک میٹنگ کو کامیاب بنانے کی فکر چل رہی تھی۔

☆☆☆

"ملٹی نیشنل کمپنیوں میں بڑے عہدے پر کام کرنا کتنا مشکل ہے کوئی مجھ سے پوچھے۔"

سلمان صاحب جو صبح سے دن ڈھلنے تک مسلسل آفس کے مختلف امور نمٹا رہے تھے لمحہ بھر کو ڈیسک ٹاپ سے نظریں ہٹا کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر لمبا گہرا سانس لے ہی رہے تھے کہ ایک بار پھر کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"خالد صاحب نے ابھی تک اپنی رپورٹ کیوں جمع نہیں کروائی؟" یہ خیال آتے ہی ان کی طبیعت میں ناگواری کا احساس ابھر آیا تھا۔

"خالد صاحب! آپ کی رپورٹ ساڑھے پانچ بجے ڈیوٹی اس وقت چھ بجے رہے ہیں؟"

خالد صاحب ادھیڑ عمر کے معقول انسان تھے۔ وقت کی پابندی اور اپنے کام میں مہارت، قابلیت اور اخلاص کی وجہ سے سلمان صاحب کی نظروں میں ان کی بڑی عزت تھی۔

"سر! میں کچھ پریشان ہوں جس کی وجہ سے کام پر فوکس نہیں کر پا رہا، آپ مجھے ایک دو دن کی چھٹی دے دیں!"

"اتنی اہم میٹنگ سر پر ہے آپ کو چھٹی کیسے مل سکتی ہے؟"

سلمان صاحب نے غصے اور پریشانی سے ہونٹ بھینچے۔

"مجھے بتائیے کیا پریشانی ہے شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں؟"

خالد صاحب بتانے میں ہچکچا رہے تھے لیکن جب اصرار بڑھا تو انہیں بتانا ہی پڑا۔

"سر! میرا بڑا بیٹا یونیورسٹی جاتا ہے جبکہ چھوٹا بیٹا اور بیٹی کالج میں پڑھتے ہیں۔ ہم اپنی مصروفیات کی وجہ سے ایک دوسرے کو بالکل وقت نہیں دے پاتے لیکن کل اتفاقاً جب میں

نے ان کی آپس کی گفتگو سنی تو مجھے احساس ہوا کہ میں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے انہیں جن تعلیمی اداروں کے حوالے کیا تھا انہوں نے تو میرے ساتھ بہت بڑا دھوکا کیا ہے۔میرا یونیورسٹی جانے والا بیٹا ٹرانس جینڈرز اور قادیانیوں کے حق میں دلائل دے رہا تھا۔

کالج جانے والے دونوں بچے سرکاری سطح پر ہونے والے ناچ گانے کے پروگراموں میں اپنی اپنی رجسٹریشن کروا چکے ہیں اور زور وشور سے اس کی تیاریوں میں مگن ہیں اور مجھے اب پتا چلا ہے جب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔میرے ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تعلیمی اداروں اور میڈیا نے مل کر بہت بڑا افراڈ کیا ہے سر!"

خالد صاحب سر پکڑے کرسی پر بیٹھے تھے اور سلمان صاحب غصے اور جھنجھلاہٹ میں انہیں دیکھ رہے تھے۔جس مسئلے کو وہ مسئلہ ہی نہیں سمجھتے تھے اس کا حل کیا پیش کرتے۔

اسی اثناء میں طارق صاحب اپنی فائلز کے ہمراہ دفتر میں داخل ہوئے۔

"سر! آنے والی میٹنگ کے حوالے سے معزز شرکاء کے لیے سب انتظامات مکمل ہیں آپ جائزہ لے لیجیے اور کچھ سفارشات کو اوکے کر دیجیے!"

انہوں نے چند کاغذات سلمان صاحب کے سامنے رکھے۔

انتظامات بہترین تھے۔سلمان صاحب کو کچھ اطمینان ہوا لیکن یہ اطمینان اس وقت غائب ہو گیا جب میٹنگ شرکاء کی آؤ بھگت کے لیے اسرائیلی مصنوعات کی جگہ متبادل مقامی برانڈز کی تجاویز پیش کی گئی تھیں۔

"میں حیران ہوں کہ اتنی اہم میٹنگ کے لیے یہ کیسی تجاویز ہیں؟" انہوں نے تیز نظروں سے طارق صاحب کو گھورا۔

"سر! اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں... اس وقت دنیا بھر میں سلیم الفطرت لوگ چاہے ان کا تعلق کسی ملک، مذہب اور قوم سے ہے انسانی اور اخلاقی اقدار کی بنا پر غزہ میں سات اکتوبر سے جاری انسانی تاریخ کی بدترین نسل کشی کے خلاف اسرائیلی مصنوعات کے بائیکاٹ پر متحد ہیں تو ہمیں اس پر حیرانی اور تردد کیوں ہے جبکہ بحیثیت مسلمان مظلوم کلمہ گو فلسطینیوں کا ہم پر سب سے زیادہ حق ہے۔"

طارق صاحب اپنی رائے پر قائم تھے۔

☆☆☆

وہ آفس سے نکلے تو تھکن اور الجھن کے باعث سلمان صاحب سے گاڑی چلانا مشکل ہو رہی تھی۔

سونے پر سہاگہ سخت آندھی وطوفان کے ساتھ بارش بھی شروع ہو چکی تھی کہ اچانک ایک ہوٹل کے سامنے ان کی گاڑی جھٹکے سے رک گئی۔گاڑی

سے سر نکال کر انہوں نے باہر دیکھا چند نوجوان تیز ہوا سے گرنے والے بینرز سنبھال رہے تھے۔

"پلیز ہیلپ"، سلمان صاحب نے بیچارگی سے ان جوانوں کو آواز دی۔

"سر! آپ گاڑی لاک کر کے اندر ہال نمبر 1 میں تشریف لے جائیں، وہاں ہمارا ایک پروگرام جاری ہے۔ لیکچر کے اختتام تک ان شاء اللہ ہم کوئی مکینک بلوا دیں گے۔"

وہ چار و ناچار ہال میں داخل ہوئے تو ایک بڑی پراجیکٹر سکرین پر تقابلی جائزے کے لیے تین مناظر دکھائے جا رہے تھے۔

منظر نمبر 1 میں لہولہو غزہ، اقصیٰ و فلسطین،

جبکہ منظر نمبر 2 میں یورپ و امریکہ کے کالج اور یونیورسٹیز میں فلسطین کے حق میں احتجاجی دھرنے اور مظاہرے اور منظر نمبر 3 میں پاکستانی کالجز اور یونیورسٹیز میں ہونے والے کنسرٹس دکھائے جا رہے تھے۔

پراجیکٹر اسکرین پر منظر دھندلائے تو مقرر کی متاثر کن آواز ہال میں گونجنے لگی تھی:

"اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لائے گا کہ جن کو اللہ چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں، مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دیتا ہے، اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔"

آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ بحیثیت قوم قیام پاکستان کے وقت کیئے گئے اسلامی نظام کے نفاذ کے وعدے بھول جائیں...

آپ اللہ کے دین کی مدد کرنے سے منہ موڑ لیں...

آپ کو مسجد اقصیٰ کے تقدس کی پامالی، پی ایس ایل کی لایعنی تفریح سے نہ روک سکے..

آپ سے غزہ کے ہزاروں شہیدوں کا لہو کے ایف سی، میکڈونلز اور کوک کے ذائقے نہ چھڑوا سکے..

فلسطین میں خون مسلم گلی کوچوں میں بہہ رہا ہو اور آپ کے تعلیمی ادارے محافل رقص و سرور سجانے میں مشغول ہو جائیں.. دنیا بھر میں مسلمان مغلوب ہوں اور آپ اسلام کا پرچم اٹھا کر چلنے کو تیار نہ ہوں تو یاد رکھیں!

آپ رب العالمین سے منہ موڑ سکتے ہیں تو وہ بھی آپ سے منہ موڑ لے گا۔

پاکستانی نفاذ اسلام کے لیے نہیں اٹھیں گے تو یہ فریضہ کوئی اور سر انجام دے لے گا....

آپ طوفان الاقصیٰ کو مدد اور تعاون فراہم نہیں کریں گے تو یہ مدد انہیں امریکہ کی یونیورسٹیوں سے مل جائے گی۔

آپ اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ نہیں

کریں گے تو یہ تحریکیں یورپ میں چلیں گی۔

آپ اپنا وقت، مال جان اس دین کی نصرت میں نہیں لگائیں گے تو آپ کی حیثیت اللہ رب العزت کے ہاں کسی باغ کے جھاڑ جھنکار سے زیادہ نہیں کہ جسے اکٹھا کر کے آگ میں جھونک دیا جائے اور پھر زمین ہموار کر کے نئے پودے اور پھول اُگا دیئے جائیں۔

فیصلے کی گھڑی آن پہنچی ہے اور طوفان الاقصیٰ اتمام حجت ہے۔"

☆☆☆

پراجیکٹر سکرین پر بہت سے مناظر بکھرے پڑے تھے مقرر کی آواز ہال میں گونج رہی تھی۔

مگر سلمان صاحب کے دماغ پر جیسے ہتھوڑے برس رہے تھے.... غزہ میں مسلسل ہونے والی شہادتیں ان کا امتحان بن چکی تھیں۔

☆☆☆

رات کی چادر آسمان کے سر سے سرک رہی تھی۔گاڑی ٹھیک کروا کے سلمان صاحب جب گھر پہنچے تو صبح کی آمد آمد تھی۔

سورج کی پہلی پہلی کرنیں لان کے سبزے پر چمک رہی تھیں۔مالی نے جھاڑ جھنکار اور مردہ پودے کونے میں اکٹھے کر کے جلا دیئے تھے اور اب ان کی راکھ بھی کہیں نہیں تھی۔

کیاریاں نئی پنیری کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں اور ننھے پودے جلد از جلد لان میں اپنی بہار

بے لباس انسان

کپڑے جسم کو ڈھانپ لیتے ہیں لیکن گفتگو ایک پل میں انسان کو بے لباس کر دیتی ہے۔

الفاظ کا چناؤ سوچ سمجھ کر کریں جب آپ بات کر رہے ہوتے ہیں تو آپ کے الفاظ...آپ کے خاندان کا پتہ، مزاج اور آپ کی تربیت کا پتہ دے رہے ہوتے ہیں۔

جویریہ عباسی

دکھانے کو بے چین تھے۔

ایک طرف استقامت سے کچھ تناور درخت بڑی شان سے کھڑے تھے۔ یہ وہ تھے جن کا رشتہ خزاں میں بھی اپنی جڑوں سے کمزور نہیں ہوا تھا۔

سلمان صاحب لان میں نہیں فیصلے کی گھڑی میں دوراہے پہ کھڑے تھے اور طوفان الاقصیٰ اتمام حجت لیے سامنے تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ صرف سلمان صاحب ہی نہیں ہم سب تک فیصلے کی گھڑی آن پہنچی ہے۔طوفان الاقصیٰ اتمام حجت بنا سامنے کھڑا ہے..حق اور باطل ...صرف دو ہی رستے باقی ہیں تیسرا کوئی انتخاب سرے سے ہے ہی نہیں اور ہم سب کو ایک ہی انتخاب اب لازماً کرنا ہے۔

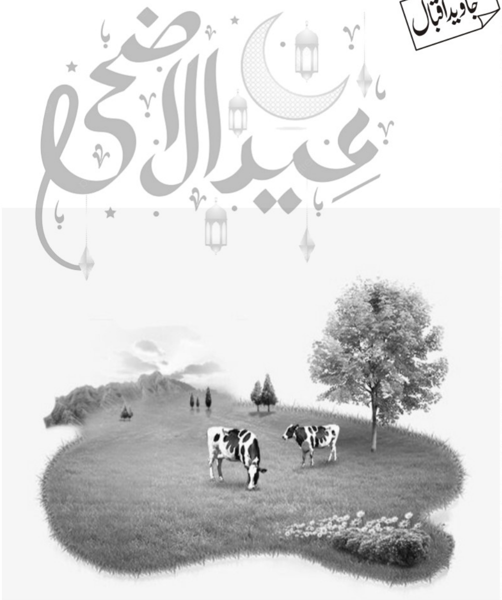
اور ہاں جو شعوری طور پر طوفان الاقصیٰ کی پشت پناہی کا، حق کے راستے کا انتخاب نہیں کرے گا وہ ضرور باطل کے راستے پر بھٹک جائے گا۔

☆☆☆



ہماری پیاری گائے

جاوید اقبال



فیضی اور طوبیٰ بہت خوش تھے، کیونکہ آج ان کے بابا قربانی کا جانور لینے جا رہے تھے۔ دونوں بچے تیار ہو کر اپنے بابا جان کے ساتھ جانوروں کی منڈی پہنچ گئے۔ وہاں ایک سے ایک خوبصورت گائیں، بیل، بچھڑے، بکرے، دُنبے، بھینسے اور اونٹ فروخت کے لئے لائے گئے تھے۔

دونوں بچے اپنے بابا کے ساتھ جانوروں کو دیکھتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک گائے کو دیکھ کر طوبیٰ رک گئی۔

"دیکھیں بابا! یہ بہت خوبصورت گائے ہے، اسے خرید لیتے ہیں" طوبیٰ نے کہا بابا اور فیضی کو بھی یہ گائے بہت اچھی لگی۔ تھوڑے سے بھاؤ تاؤ کے بعد انہوں نے گائے خرید لی اور اسے لے کر گھر آ گئے، انہوں نے گائے کو اپنے چھوٹے سے آنگن میں ہی باندھ دیا۔ رات بہت ہو چکی تھی

دونوں بچے تھک کر سو گئے۔

اگلے دن صبح ہی دونوں بچوں نے اپنے بابا جان کے ساتھ مل کر گائے کو خوب نہلایا۔اس کے گلے میں دلکش رنگوں کا ہار ڈال دیا،جس سے وہ اور بھی خوبصورت لگنے لگی۔ دونوں بچے گائے کی خدمت کرنے میں لگ گئے۔جب بھی وہ گائے کے پاس جاتے وہ ان کے ہاتھ چاٹنے لگ جاتی ،جس سے بچے اور بھی خوش ہوتے۔

❁❁❁

”اماں!اس دفعہ گائے کا بچہ میرا ہوگا۔“بلو کہنے لگی۔

بلو اپنی اماں اور ابا کے ساتھ ایک گاؤں میں رہتی تھی۔کھیتی باڑی کرنا اور جانور پالنا اس خاندان کا پیشہ تھا۔ان کے گھر میں بہت سارے جانور تھے۔ بلو کو اپنے جانوروں سے بہت پیار تھا۔ ان کے گھر میں ایک گائے، تین بکریاں، بہت سی مرغیاں، چوزے، ایک خوبصورت بلی اور گھر کی حفاظت کے لئے ایک کتا بھی تھا۔

کچھ ہی دنوں بعد گائے نے ایک خوب صورت بچہ دیا۔بلو نے اس کا نام بنٹی رکھ دیا۔بلو دن رات گائے اور اس کے بچے کی خدمت کرتی۔بنٹی اب بڑی ہوگئی تھی،اس لئے وہ گھر بھر میں دوڑتی پھرتی تھی۔بلو جدھر جاتی ،بنٹی بھی اس کے ساتھ جاتی۔بنٹی اپنی ماں کے پاس سونے کے بجائے بلو کے پلنگ کے پاس ہی سو جاتی اور تھوڑی دیر بعد بلو کے ہاتھ یا پیر کو چاٹتی رہتی۔

گاؤں والے بلو کا اپنی گائے سے اتنا پیار دیکھ کر بہت حیران ہوتے۔بنٹی بھی بلو کے ہاتھ سے ہی چارا کھاتی تھی۔بنٹی جب دو سال کی ہوگئی تو ایک دن گاؤں کا قصائی چاچا کرمو بلو کے گھر آگیا اور اس کے ابا سے کہنے لگا:

”بھائی فضل دین!تمہارا جانور اب دو سال کا ہوگیا ہے۔کیا خیال ہے اس سال آجاؤں؟“

بلو، چاچا کرمو کو دیکھ کر اُداس ہوگئی۔وہ اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا، کیونکہ وہ گاؤں کے سارے خوبصورت جانور لے جا کر منڈی میں بیچ دیتا تھا۔اس عید پر اس کی نظر بنٹی پر تھی۔

”اماں!میں بنٹی کو نہیں بیچنے دوں گی۔میں نے اسے بہت پیار سے پالا ہے،یہ میری دوست ہے۔میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔“بلو رونے لگی۔

بلو کو روتے دیکھ کر اماں اس کے قریب آئیں اسے اپنے گلے لگالیا اور کہنے لگیں:

”دیکھو بیٹی!ہم غریب لوگ ہیں اور جانور پالتے ہیں،پھر ان کو بیچ کر ہمیں جو پیسے ملتے ہیں،ان سے ہم اپنی گزر بسر کرتے ہیں۔یہ گائے تمہاری ہے،اسے بیچ کر جو پیسے ملیں گے،وہ تم اپنے پاس رکھ لینا کل کو تمہارے کام آئیں گے۔“

پھر ایک دن چاچا کرمو آکر بنٹی کو لے گیا۔بلو

نے رو رو کر بُرا حال کر لیا۔ وہ بار بار اماں سے سوال کرتی رہی کہ اب بنٹی کہاں ہو گی! چاچا کرمو اسے کہاں لے کر جائے گا، شہر والے اسے کہاں رکھیں گے، شہر میں اسے کھانے کو کیا ملے گا، ان ہی سوالوں میں گم رات کے پچھلے پہر بلو کو نیند آ گئی۔

❁❁❁

عید میں ابھی چند دن باقی تھے۔ محلے میں طرح طرح کے جانوروں کی گویا نمائش لگی ہوئی تھی۔

"کیوں نہ ہم اس کا پیارا سا کوئی نام رکھ دیں" طوبیٰ نے کہا۔

"ہم اس کا نام بنٹی رکھ دیتے ہیں۔" فیضی نے بنٹی کھاتے ہوئے طوبیٰ سے کہا۔

جیسے ہی طوبیٰ نے گائے کو بنٹی کے نام سے پکارا۔ اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔

"مما! لگتا ہے اس کا نام بنٹی ہی ہے ہم اس کو ذبح نہیں کریں گے۔ رات کو دیر تک دونوں بچے گائے کے ساتھ ہی رہتے اور صبح ہوتے ہی اس کے کھانے کے بندوبست میں لگ جاتے۔ ان کو اپنے کھانے سے زیادہ بنٹی کے کھانے کی فکر ہوتی۔

❁❁❁

آج عید قرباں تھی۔ فیضی تیار ہو کر اپنے بابا کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے چلا گیا۔ نماز پڑھ کر جب وہ واپس آ رہے تھے تو انھیں راستے میں قصائی مل گیا۔ اسے گھر میں دیکھتے ہی دونوں بچوں نے کہرام مچا دیا۔

فیضی ایک طرف کھڑا رو رہا تھا، جب کہ طوبیٰ نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا۔ رو رو کر بچے ہلکان ہو رہے تھے۔ اسی ہنگامے میں گائے ذبح ہو گئی۔ بچوں کو ان کے ماموں اپنے ساتھ باہر لے گئے۔

❁❁❁

"بلو! بلو! جلدی اُٹھو! آج عید کا دن ہے تم اب تک سو رہی ہو۔" اماں کی آواز پر بلو آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ گئی۔ وہ سیدھی اماں کے پاس آئی اور رونے لگی۔

"کیا بات ہے بیٹی! آج عید کا دن ہے۔ تم رو کیوں رہی ہو؟"

"اماں! آج رات میں نے خواب میں دیکھا بنٹی دو بچوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی کچھ کھا رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس کے گلے میں ہار اور پاؤں میں خوبصورت کنگن بھی تھے۔ اماں! لگتا ہے اس کو وہ جگہ پسند آ گئی ہے۔"

"ہاں بیٹا! آج بنٹی اس سے بھی اچھی جگہ چلی جائے گی۔"

❁❁❁

شہید...... شہید



جویریہ فاروقی

"شہید۔۔۔شہید کون، کون کھیلے گا۔"

باسم کی پر جوش آواز سن کر رانم، مروان، نضال، اور منصور دوڑتے ہوئے آئے۔

"میں بھی کھیلوں گا"

"میں بھی کھیلوں گا" کا نعرہ لگاتے ہوئے سب باسم کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

"لیکن اس بار شہید میں بنوں گا۔" ننھا مروان منہ بسورتے ہوئے بولا۔

"چلو یار! اس بار تم ہی شہید بننا۔۔۔" اس کے گال کھینچتے ہوئے باسم دوڑا اور اپنے گھر سے لکڑی کا چھوٹا سا تختہ لے آیا۔

مروان ان سب میں چھوٹا تھا۔ وہ سب مشرقی فلسطین کے ایک محلے میں رہتے تھے۔

"شہید۔۔۔شہید" ان کا پسندیدہ کھیل تھا۔ وہ جب بھی فارغ ہوتے، یہی کھیل کھیلتے تھے۔

سات سالہ مروان کو شہید بناتے ہوئے انہوں نے تخت پر لٹایا اور چاروں نے تخت کو کندھے پر اٹھالیا۔ تخت پر لیٹے مروان کے چہرے پر اتنی چمک تھی، جیسے اس نے شہید بن کر دنیا کو فتح کرلیا ہو۔ آسمان پر فرشتے بھی اس کی ادا پر رشک کر رہے ہوں گے۔

ننھے مروان کو کندھے پر اُٹھائے، وہ چاروں مختلف نعرہ لگاتے ہوئے گلی کا چکر لگانے لگے۔

"شہید زندہ باد"

"ہم کون ہیں؟"

"ہم اقصیٰ کے بیٹے۔۔۔!!!"

"ہم یہودیوں کو فلسطین سے نکالیں گے۔"

"ان شاء اللہ"

...❁...❁...❁

شور سے تانیہ کی آنکھ کھلی، تو کمرے سے باہر آ کر دیکھا۔ لان کے منظر نے ان کا پارہ ہائی کر دیا۔ ان کا آٹھ سالہ بیٹا ضیغم واٹر گن سے اپنے

دوستوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔گن سے ایک دوسرے پر پانی ڈال کر وہ سب گیلے ہو چکے تھے۔

’’ضیغم !ادھر آؤ!‘‘

تانیہ کی تیز آواز سن کر ضیغم نے فق چہرے سے منہ موڑ کر ماں کی طرف دیکھا۔تانیہ کو دیکھتے ہی اس کے دوست نو دو گیارہ ہوگئے۔ وہ فق چہرے سے ماں کی طرف آیا۔

’’کیا کر رہے تھے آپ؟‘‘

’’وہ...وہ...م...می...ممی‘‘

ضیغم ہکلایا۔

’’کتنی بار آپ کو منع کیا۔پھر بھی سارے جہاں کو اکٹھا کر کے لان میں ادھم مچایا ہوا تھا۔‘‘

تانیہ نے واٹر گن چھین کر فرش پر پھینکی اور بازو سے پکڑ کر اس کا رخ واش روم کی طرف کیا...ضیغم نے حسرت سے اپنے ٹوٹی ہوئی گن کو دیکھا۔

’’ممی! آپ نے میری گن توڑ دی...آپ گندی ہیں...میں بابا سے اور منگواؤں گا۔‘‘

ضیغم آنسو بھری آنکھوں سے ڈرتے ہوئے گویا ہوا۔

تانیہ نے آنکھیں دکھائیں تو وہ جلدی سے واش روم میں گھس گیا۔

’’یہ لو کاؤنٹنگ اور کلر نیم یاد کرو!‘‘

صوفے پر بٹھا کر ٹیبلٹ پر ویڈیو لگا کر ضیغم کو دی اور خود بیڈ پر نیم دراز ہو کر فیس بک کھول لی۔

بے دلی سے ویڈیو دیکھتا ضیغم کا دھیان ٹوٹی ہوئی گن اور کھیل کی طرف تھا۔اسے گن سے کھیلنا بہت اچھا لگتا تھا۔لیکن ممی کھیلنے ہی نہیں دیتی تھیں۔

...

’’دادی ماں!...دادی ماں! کہاں ہیں؟‘‘

ننھا مروان جوش سے آوازیں دیتا گھر میں داخل ہوا۔

جلیلہ خاتون کو مصلے پر بیٹھا دیکھ کر ان کی طرف لپکا۔

’’آپ کو پتا ہے...دادی ماں! آج میں شہید بنا تھا اور نا میں بڑا ہو کر بابا اور چاچو کی طرح شہید بنوں گا۔‘‘

جلیلہ خاتون کے آغوش میں سر دیتے ہوئے بولا۔

’’ان شاءاللہ!‘‘

زیر لب کہتے ہوئے انہوں نے مروان کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

’’القدس پر تو سب کچھ قربان ہیں۔میرا بیٹا بھی ضرور اقصیٰ کا محافظ اور شہید بنے گا۔‘‘

مروان کو سبق پڑھاتے ہوئے ان کی سوچ بہت پیچھے پرواز کر رہی تھی، جب وہ اپنے بیٹے کو بھی ایسے ہی سبق پڑھایا کرتی تھیں۔

یہ ان ہی کا پڑھایا ہوا سبق تھا کہ ان کا ایک

بیٹا اقصیٰ کا محافظ بن گیا اور اسی جرم کی پاداش میں ان کے شوہر، بیٹی اور ایک بیٹا بمباری میں شہید کر دیا گیا۔ فلک بھی حیرت سے اقصیٰ کی اس عظیم بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے جذبات اپنا سب کچھ قربان کر کے بھی سرد نہیں پڑے تھے۔ وہ اقصیٰ کا اک اور بیٹا تیار کر رہی تھیں۔ امت مسلمہ کو ایسی ہی عظیم ماؤں کی ضرورت ہے۔

❁...❁...❁

گن اور کھیل، گود کے شوقین ضیغم شروع، شروع میں ٹیبلٹ بے حد اُکتاہٹ سے دیکھتا تھا۔ لیکن کب اس کی پسندیدہ گن والی گیم سے پہنچ تک رسائی ہوئی پتا ہی نہیں چلا۔ ضغیم کا اسکول اور ٹیوشن کے بعد سارا وقت ٹیبلٹ کے ساتھ گزرنے لگا۔ تانیہ نے بھی سکھ کا سانس لیا، اب نہ وہ شور وغل کرتا نہ تانیہ سے نت نئی فرمائش۔۔۔ تانیہ اس کو ٹیبلٹ کے ساتھ مصروف دیکھ کر شکر ادا کرتی۔

"یوٹیوب کے بڑے فائدہ ہیں، بچے گنتی وغیرہ اور دوسری بہت سی چیزیں آسانی سے سیکھ لیتے ہیں۔"

ضیغم کو مہارت سے ٹیبلٹ چلاتا دیکھ کر تانیہ نے سوچا۔۔!!

اور بیڈ پر دراز ہو کر فیس بک میں گم ہو گئی۔ یہ جانے بغیر کہ اس نے اپنے بیٹے کو کس دلدل میں دھکیل دیا ہے۔

❁...❁...❁

یہ فلسطینی اور ہمارے بچوں کے شوق ہیں۔

واقعی!! جس قوم کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے۔۔۔ اس قوم کے بچوں کے بھی وہی شوق ہوتے ہیں۔

فلسطینی بچوں کے کھیل امت مسلمہ کی غیرت کو جگانے کے لیے کافی ہیں۔

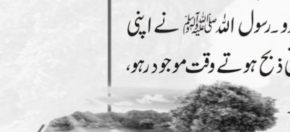
❁...❁...❁

قربانی کا اجر و ثواب

نعیم حسین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قربانی کے دن اس سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں، قیامت کے دن قربانی کا جانور سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ لایا جائے گا اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی سند لے لیتا ہے، اس لیے تم قربانی خوش دلی سے کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی قربانی ذبح ہوتے وقت موجود رہو، کیونکہ پہلا قطرہ خون گرنے سے پہلے انسان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔





"بس... بس بہت ہوگیا اب مسئلہ صرف قربانی کا ہے اور تم لوگوں نے اسے سیاسی مسئلہ بنالیا ہے۔" اباجان کی گرج دار آواز سن کر سب سہم گئے۔ تھوڑی دیر سناٹا چھا گیا پھر بڑے بھائی جان کی آواز سنائی دی:

"ہم تو صرف یہی چاہ رہے تھے کہ بکرا عمدہ ہونا چاہیے .. اللہ کے نام پہ قربان ہو رہا ہے تو مریل قسم کا نہ لے آئیے گا۔"

"اگر یہی بات پہلے کر دیتے تو کیا برائی تھی؟" امی جان نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا

"پہلے بھی ہم یہی کہہ رہے تھے۔" بھائی جان نے برا سا منہ بنایا۔

"مگر!!!" منے میاں کی زور دار آواز سن کر سبھی چونکے۔

"اب تمہیں کیا ہوا...؟؟" امی جان نے اسے سرتا پا گھورا۔

"نہیں .. بھائی جان پہلے تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ بکرا سفید رنگ کا ہو، اس کے ماتھے پر سیاہ نشان ہو اور اس کے سینگ مڑے ہوئے ہوں اور ..."

منے میاں ابھی بتا رہے تھے کہ اباجان نے اس کی بات کاٹ دی اور بولے:

"اور وہ الٹی گنتی گن سکتا ہو اور انگریزی بھی بول لیتا ہو ..." اباجان نے جلے کٹے لہجے میں کہا .. پھر وہ گویا ہوئے:

"اللہ کے بندو! صاف ستھرا، صحت مند، بے عیب جانور لو اور قربان کرو ... یہ تو بنی اسرائیل والا طرز عمل ہوا کہ ایسا ہو ویسا نہ ہو جیسے انہوں نے گائے کی قربانی کے موقع پر کیا تھا۔"

"ابو! سبھی بچے اپنے اپنے پیارے، خوبصورت بکروں کے ساتھ سیلفی تصویر بنا کر سوشل میڈیا پہ ڈالیں گے اور ہمارا بکرا ... آپ عام سا بکرا لے آئیں گے .." اجود نے ایک اور نکتہ اُٹھایا

"اففف ... توبہ توبہ کیا زمانہ آگیا ہے..."

ریاکاری کی بھی حد ہوتی ہے ... کیا تم لوگ دکھاوے کے لیے کر رہے ہو یہ سب ... لوگ تو فیس بک استعمال کرتے کرتے نیم پاگل ہو گئے ہیں .. کیا تم بھی ویسے بننا چاہتے ہو؟؟ ''ابا جان کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

''السلام علیکم ...!'' اچانک دروازے سے ماموں جان کی آواز سنائی دی ...

''وعلیکم السلام ..'' سب نے جواب دیا اور ماموں جان ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔

وہ بکرے کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے یہ بھول گئے تھے کہ ان کے گھر ایک عدد مہمان شخصیت بھی موجود ہیں .. اور وہ شخصیت ماموں جان کی تھی جو آج صبح سے تشریف لائے تھے ... وہ ظہر کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ گئے تھے اور اب گھر واپسی پر باتوں کا شور سن کر ادھر آگئے تھے ... ماموں جان نے ایک طائرانہ نظر سب پر ڈالی اور پھر وہ مسکرا دیے ..

''میری گھڑی پہ تو اڑھائی بجے ہیں ... مگر آپ سب کے چہروں پہ بارہ کیوں بجے ہیں؟؟''

''درست فرمایا آپ نے بھائی جی .. اور بہت اچھے وقت پہ تشریف لائے ہیں آپ ..''

ابا جان نے ماموں جان کی تائید کی اور پھر دوبارہ سلسلہ کلام جوڑا:

''جناب بات یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے لیے بکرا لینا ہے .. میں نے یہ بات جیسے ہی بتائی سب لوگ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے .. بکرا ایسا ہو، رنگ فلاں ہو، سینگ اتنے انچ کے ہوں وغیرہ وغیرہ گویا بکرا نہ ہوا کوئی رشتہ ہو گیا۔''

''اچھا تو پھر ....'' ماموں جان نے پوچھا

''پھر کیا جناب ... آپ ہی ان کو سمجھائیں کہ قربانی کا فلسفہ کیا ہے .. مقصد کیا ہے .. میں تو سمجھا کے تھک چکا ہوں ..'' ابا جان نے کہا۔

''ٹھیک ہے ..'' ماموں جان مسکرائے .. ایک نظر سب کو دیکھا اور بولے:

بچو! آپ سب جانتے ہیں کہ ہم قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ادا کرنے کے لیے کرتے ہیں .. اور سنت کا مطلب ہوتا ہے کسی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کوئی کام کرنا. . مطلب یہ کہ قربانی کی درست سنت تب ادا ہوگی جب ہم اسے اسوہ ابراہیمی کے مطابق ادا کریں گے ... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا حکم ادا کرتے ہوئے اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے ارادے کو عملی جامہ پہنا دیا .. اور وہ آزمائش میں کامیاب ہوئے .. قرآن مجید نے اس کو بہت بڑی آزمائش قرار دیا .. اگر ہم سوچیں تو ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کتنی عظیم آزمائش تھی ... باپ خود اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کے حلق پر چھری چلا رہا تھا .. رشتہ، پیار، خواہش، محبت، مستقبل، تمام چیزیں ایک ساتھ قربان ہو رہی تھیں ... مگر ہم

آج کل یہ سنت کیسے ادا کرتے ہیں ... کچھ لوگ تو مریل قسم کے سستے ترین جانور خرید کر قربان کرتے ہیں حالانکہ وہ صاحب استطاعت بھی ہوتے ہیں اس کے علاوہ کچھ لوگوں پہ صرف ریاکاری کا بھوت سوار ہوتا ہے اور وہ روپیہ پانی کی طرح بہا دیتے ہیں اور اپنے خریدے ہوئے جانور کی خوب تشہیر کرتے ہیں ... حالانکہ وہ صحت مند، بے عیب جانور خریدتے تو اس رقم سے ایک کے بجائے تین چار نفلی قربانیاں بھی ہو جاتیں اور بہت سے غریب افراد کے پاس بھی قربانی کا گوشت پہنچ پاتا... مگر ہم عجیب لوگ ہیں ... اپنی خواہشات کو دیکھتے ہیں .. جس کے نام پہ قربان کیا جا رہا ہے اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے اور یوں ہم ایک رسم تو ادا کر دیتے ہیں مگر قربانی کی روح کو نہیں پا سکتے ... کچھ سمجھے ہو؟؟''

ماموں جان نے ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا

''ماموں جان! باقی لوگوں کا تو پتہ نہیں مگر مجھے بے حد شرمندگی ہو رہی ہے کہ میں نے بڑا ہونے کے باوجود اس نامناسب فرمائش میں حصہ ڈالا ...'' بھائی جان نے سر جھکا کر کہا

''نہیں ارحم ایسی کوئی بات نہیں .... دیر آید درست آید ...'' ماموں نے اس کا شانہ تھپتھپایا

''ماموں آپ کی باتیں ہمارے دلوں میں اُتر گئی ہیں ... مگر ابو سے ایک فرمائش ہے صرف ایک ...''

اجود نے کہا تو سب چونک گئے۔

''اف میرے اللہ ... ماموں نے اتنی محنت سے سمجھایا مگر ابھی فرمائش کا ایک جرثومہ باقی ہے ...'' ابو نے اسے گھورتے ہوئے کہا

''بولو اجود ...'' ماموں نے پوچھا

''ماموں .. ہم صحت مند، بے عیب بکرا لیں گے ... مگر ہم دو بکرے لیں گے ...'' وہ بولا

''دو کیوں؟'' کئی آوازیں ابھری تھیں۔

''ہم ایک نفلی قربانی کریں گے اور اس کا سارا گوشت محلے کے ان گھرانوں میں تقسیم کریں گے جن کی قربانی نہیں ہے ... کیا ہم یہ قربانی بھی نہیں دے سکتے ....''

اجود کی آواز میں عجیب طرح کا درد تھا۔

''ہم اجود کے ساتھ ہیں ...'' سب بچوں نے ہاتھ اٹھائے ..

''اور میں بھی ...'' یہ آواز ابو جان کی تھی۔

سب نے دیکھا وہ مسکرا رہے تھے ..

''اور ہم اس نفلی قربانی کا ثواب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائیں گے .. ان شاء اللہ''

''ان شاء اللہ!'' سبھی ایک ساتھ بولے...

''یہ ہوا نہ قربانی کا اصلی رنگ .. اسے کہتے ہیں قربانی پہ قربانی اور ایثار ..''

منے میاں نے جوش کے عالم میں کہا اور سبھی مسکرا دیے۔

جنگل کے قریب ایک بھول نگر قصبہ آباد تھا۔اپنے نام کی طرح وہ خود بھی بہت خوبصورت دلکش اور حسین وجمیل تھا۔جس



کے آخر میں صدیق صاحب کا گھر تھا۔ان کے گھر سے کچھ فاصلے پر جنگل شروع ہوتا تھا۔

سن رکھا تھا کہ وہاں جنات کا بسیرا ہے اور وہاں آنے والوں کو وہ اپنے پاس روک لیتے ،تنگ کرتے ،ستاتے اور مار بھی دیتے ہیں۔

صدیق صاحب بہت ہی نیک رحم دل اور شفیق انسان تھے۔ان کے تین بچے تھے۔محمد، احمد، اور جویریہ، ان کی عمروں میں زیادہ فرق نہ تھا۔صدیق صاحب اپنے بچوں کو اس جنگل میں جانے سے روکا کرتے تھے۔

ذی الحجہ شروع ہو چکا تھا۔صدیق صاحب بچوں کی خواہش کے مطابق قربانی کے لیے نہایت خوبصورت بھورے اور سفید دھبوں والے بکرے لینے گئے تھے۔سب بچوں کو بے تابی سے اپنے بابا کے گھر واپس آنے کا انتظار تھا۔خاص طور پر جویریہ کو۔وہ تو دروازے میں ہی کھڑی تھی۔آخر کار بابا اپنے ساتھ ان کی خواہش کے مطابق بکرے لاتے ہوئے دکھائی دیئے تو تینوں بہن بھائی دوڑتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے۔ایک بکرا احمد نے پکڑ لیا دوسرا محمد نے جویریہ ان کے پیچھے پیچھے خوشی سے اچھلتی کودتی چل پڑی۔

صدیق صاحب نے اپنے پھولوں کو اس طرح مہکتا اور خوش ہوتا دیکھا تو ان پر محبت بھری



نگاہ ڈالی اور گھر داخل ہو گئے۔ وہ تینوں بکروں کو لے کر ایک چراگاہ میں چلے گئے شام کو واپس آتے ہی بکروں کو باڑے میں باندھا اور کھانا کھاتے ہی سو گئے۔

یہ ان کا معمول بن گیا۔ عید سے ایک دن پہلے نہ جانے ان کو کیا سوجھی۔ ان تینوں نے منصوبہ بنایا کہ آج ہم بکروں کو جنگل لے جائیں گے اور ان کو وہاں خوب کھلائیں گے۔ موٹے تازے ہو جائیں گے۔

وہ جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے وہاں دو الگ الگ درختوں کے ساتھ ان کو باندھ دیا۔ خود ایک طرف بیٹھ کر خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔

اچانک ایک بکرے نے عجیب آواز نکالی اور نیچے گر گیا۔ ان تینوں کی خوف سے چیخ نکل گئی وہ بکرے کے پاس گئے اور اسے غور سے دیکھنے لگے۔ قریب تھا کہ وہ کچھ بولتے اس سے پہلے ہی درخت کے پیچھے سے ایک عجیب وغریب شخص نمودار ہوا۔ وہ بہت خوفناک تھا اس کی آنکھیں سرخ شعلے کی طرح تھیں منہ سے آگ نکل رہی تھی۔

وہ کہنے لگا: ”آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہو۔ اب تمہاری خیر نہیں میں تمہارا دوسرا بکرا ابھی مار دوں گا۔“

وہ تینوں ڈر کی وجہ سے کانپ رہے تھے آخر احمد ڈرتے ہوئے بولا: صاحب معاف کیجئے! میری بات سنئے!

”کون سی معافی؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں ہمارا بسیرا ہے تم یہاں کیوں آئے؟ میں آپ لوگوں کو معاف نہیں کروں گا۔“ وہ غراتے ہوئے بولا۔

”پہلے ہماری بات سنئے! پھر فیصلہ کیجئے گا کہ معاف کرنا ہے یا نہیں۔“ احمد بولا۔

”جلدی بول! آدم کی اولاد!“ وہ پھر انتہائی سخت لہجے میں بولا۔

احمد ڈر کی وجہ سے اتنا سہم گیا کہ رونا شروع کر دیا۔ اتنے میں محمد بولا:

”انکل! صبح عید ہے نا تو ہم نے سوچا کہ اپنے بکرے جنگل لے جائیں۔ خوب کھلائیں پلائیں کیونکہ انہوں نے صبح قربان ہو جانا ہے۔

آپ ہمیں معاف کر دیں ہم دوبارہ یہاں نہیں آئیں گے۔“ وہ کھا جانے والی نظروں سے ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر غصہ سے بولا: ہاں اب تم مجھے سمجھاؤ گے کہ مجھے معاف کرنا ہے یا نہیں جلدی دفعہ ہو جاؤ یہاں سے اس میں تمہاری بہتری ہے۔

محمد جلدی سے دوسرے بکرے کی طرف لپکا۔ اس کو کھولا۔ اتنے میں احمد اور جویریہ بھی اس کے پیچھے آچکے تھے۔ وہ جلدی جلدی بھاگتے ہوئے جنگل سے نکل گئے وہ تینوں بے تحاشہ رو

رہے تھے، ایک بکرے کے مرجانے کا صدمہ دوسرا بابا کی ڈانٹ کا خوف ،جب وہ گھر پہنچے تو صدیق صاحب ان کو دیکھ کر حیران و پریشان ہو گئے۔

بچوں کی زبانی واقعہ سننے کے بعد انہوں نے بچوں سے کہا کہ ارے، وہ تو جن تھا۔

حاجت روائی

محمد انس

حضرت معاویہؓ نے عبد اللہ بن عمرؓ سے کہا مجھے تم سے ایک حاجت ہے، کیا تم اسے پورا کرو گے؟ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا ہاں اور مجھے بھی تم سے ایک حاجت ہے،تم اسے پورا کردو گے، انہوں نے بھی اقرار کرلیا۔حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہا کہ آپ اپنی حاجت بیان کیجئے۔حضرت معاویہؓ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے سب مکان اور جائداد جو طائف میں ہے ہبہ کر دو۔حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا ہاں کر دی۔حضرت معاویہؓ نے کہا اب تم اپنی حاجت کہو۔حضرت عبد اللہؓ نے کہا وہ سب مجھے واپس کر دو۔ان کو بھی کہنا پڑا کہ اچھا واپس کی۔

بچے پھر سے رونے لگے تو انہوں نے کہا کہ اب رونے سے کیا ہوگا؟ بکرا واپس تو نہیں آجائے گا۔اب دوبارہ کبھی وہاں نہ جانا۔

’’جی بابا!‘‘

’’شاباش بچو!‘‘ وہ بولے

’’اب رونا بند کرو اور ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھاؤ‘‘ یہ ان کی والدہ ام حبیبہ کی آواز تھی

کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔اب انہوں نے ایک نیا منصوبہ بنایا۔

وہ تینوں اپنے بابا کے کمرے میں گئے اور جویریہ نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

’’بابا جانی! آپ ہمیں آج ہی ہماری عیدی دے دیں تا کہ ہم تینوں پیسے ملا کر ایک بکرا لے سکیں‘‘ وہ ایک ہی سانس میں سارا کچھ بول گئی۔

صدیق صاحب نے پیار سے اپنی بیٹی کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہنے لگے۔

’’میرے پیارے بچو! ہمارے پاس ایک بکرا تو ہے نا‘‘

’’لیکن بابا!‘‘ احمد اتنا کہہ کر رک گیا تو محمد نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ ایک بکرا تو پورے محلے میں پورا نہیں آئے گا۔اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک اور بکرا لے آئیں۔‘‘

’’واہ میرے پھولو! کتنا اچھا سوچا آپ لوگوں نے۔‘‘

وہ خوشی سے بولے آؤ ہم ایک اور بکرا لینے چلیں۔اب صرف صدیق صاحب نہیں بلکہ محمد اور احمد بھی ساتھ جا رہے تھے۔

انہوں نے ایک سیاہ دھبوں والا بکرا خریدا اور گھر آگئے۔اب وہ خوش تو تھے مگر ساتھ ساتھ ایک افسوس ضرور تھا کہ کاش!

جنگل نہ گئے ہوتے کیونکہ وہ بکرا مرجانے والے بکرے جیسا موٹا تازہ نہ تھا۔



منزل ہے فردوسِ بریں

عائشہ فاروق

معاذ اور اویس دونوں بچپن کے گہرے دوست تھے بچپن میں وہ ایک سکول میں پڑھتے اور کھیلتے رہے تھے۔ اب وہ دونوں سیکنڈ ائیر کے طالب علم تھے۔ امتحانات قریب ہونے کی وجہ سے وہ دونوں تیاری میں جتے ہوئے تھے۔

آج اُن کا آخری پیپر تھا۔ امتحان ہال سے نکل کر وہ باہر گراؤنڈ میں بیٹھے تھے۔ اس دوران انہوں نے طے کیا کہ کل وہ نہر پر شکار کرنے جائیں گے۔

اگلے دن صبح صبح وہ قریبی شہر کی طرف چل دیے، راستے کے دونوں طرف سرسبز کھیت لہلہا رہے تھے اور بادصبا کے جھونکے ماحول کو مزید خوش گوار بنا رہے تھے۔ نہر پر پہنچ کر انہوں نے مچھلیوں کا شکار شروع کیا۔ یہ کافی دلچسپ تفریح معلوم ہو رہی تھی۔ کچھ مچھلیاں شکار کرنے کے بعد وہ نہر کے ایک طرف بنے پارک میں جا بیٹھے باتوں کے دوران اویس نے مجاہدین کا ذکر چھیڑ دیا کہ آج کل ان دہشت گردوں نے بہت بدامنی پھیلا رکھی ہے۔ ایک تو پہلے ہی ہمارا وطن شروع دن سے انڈیا اور دیگر دشمن ممالک کی نظروں میں کھٹکتا ہے، اس پر مستزاد ان مجاہدوں کی

کارروائیاں جلتی پر تیل کا کام کر رہی ہیں۔ نجانے کیوں یہ لوگ امن کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔

معاذ اس کی باتیں سُن کر حیران رہ گیا، چونکہ اُس کے بڑے بھائی مجاہدین کی طرف سے ضلعی ذمہ دار تھے، اس لیے وہ نہ صرف جہاد کی گہری معلومات رکھتا تھا بلکہ جزبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار بھی تھا۔

''تم کیسے مجاہدین کو دہشت گرد کہہ سکتے ہو، تمہیں کس نے بتایا کہ بدامنی کے ذمہ دار مجاہدین ہیں؟'' اس نے اویس سے کہا۔

''میں نے خود مجاہدین کی ویڈیوز دیکھی ہیں جن میں وہ کشمیریوں پر ظلم کرتے ہیں اور انڈین فوجی ان کے خلاف کشمیریوں کی مدد کرتے ہیں۔ ''اویس نے جواب دیا۔

''تم نے ان جعلی ویڈیوز پر یقین کر لیا اور تم اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کر سکتا ہے اور کافر وہ بھی ہندو مسلمانوں کا خیر خواہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' معاذ نے کہا۔

''کیا واقعی وہ ویڈیوز جعلی ہیں؟ لیکن یہ تو سچ ہے نا کہ مجاہدین کشمیر میں جا کر ہندو فوجیوں سے جنگ لڑتے ہیں۔ جب مجاہدین اُن سے جنگ کریں گے تو انڈیا والے ہمارے وطن سے دشمنی تو کریں گے ہی۔''

''انڈیا والے بے گناہ کشمیریوں پر ظلم کریں، اُن کے معصوم بچوں کو بے دریغ قتل کرتے رہیں اور مسلمان سکون سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں۔ کیا اسی سے امن آئے گا؟ ہندو فوجی کشمیریوں پر عرصۂ حیات تنگ کیے رہیں تو وہ امن پسند اور مجاہدین اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کے لیے اسلحہ اٹھائیں تو وہ دہشت گرد؟ یہ کہاں کا انصاف ہے کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، جب جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہو تو پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

اور ایک بار ایک مسلمان عورت ایک یہودی کی دکان سے سودا خریدنے گئی، اس نے پاؤں تک لمبی چادر اوڑھی ہوئی تھی، یہودی لعین کو شرارت سوجھی۔ اُس نے خاتون کی چادر کو پیچھے کسی چیز سے باندھ دیا۔ جب وہ جانے کے لیے اُٹھی تو اس کی چادر گر گئی، ایک صحابیٔ رسول نے یہ منظر دیکھا تو آگے بڑھ کر اُس یہودی کو قتل کر دیا، یہودیوں نے مل کر اُس صحابی کو شہید کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے ایک مسلمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے مسجد نبوی شریف چھوڑ دی، صفہ کا مدرسہ چھوڑ دیا، تو کیا رسول اللہ ﷺ کو بھی نعوذ باللہ دہشت گرد کہا جائے گا، کیونکہ مجاہدین بھی تو آپ ﷺ کے مبارک طریقے کی پیروی کر رہے

ہیں۔
نبی کریم ﷺ ستائیس غزوات میں بنفس نفیس شریک ہوئے، آپ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے، آپ ﷺ کو جہاد کے دوران زخم آئے، جس مبارک عمل کے دوران ہمارے محبوب پیغمبر ﷺ کا خون بہا، کیا وہ عمل معمولی ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ جہاد تو خود اللہ رب العزت کا حکم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاد کی فرضیت نازل فرمائی ہے''

''کیا جہاد کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے؟''

''جی ہاں! قرآن پاک کی پانچ سو چوراسی سے زائد آیات جہاد کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے روزے کے بارے میں ارشاد فرمایا: کتب علیکم الصیام
ترجمہ: تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔
اور جہاد کے بارے میں ارشاد فرمایا:

کتب علیکم القتال
تم پر قتال فرض کیا گیا ہے۔
جب ان کی فرضیت کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرق نہیں فرمایا تو ان دونوں کے حکم اور ان پر عمل کرنے کے بارے میں کسی کو فرق کرنے کا حق کیسے آتا ہے۔
اس کے علاوہ حدیث مبارکہ میں بھی ہے۔
''جہاد نماز روزے کی طرح فرض ہے، اس کا منکر کافر ہے، اسے بلا عذر چھوڑنے والا فاسق ہے اور اس میں کج بحثی کرنے والا گمراہ ہے۔''

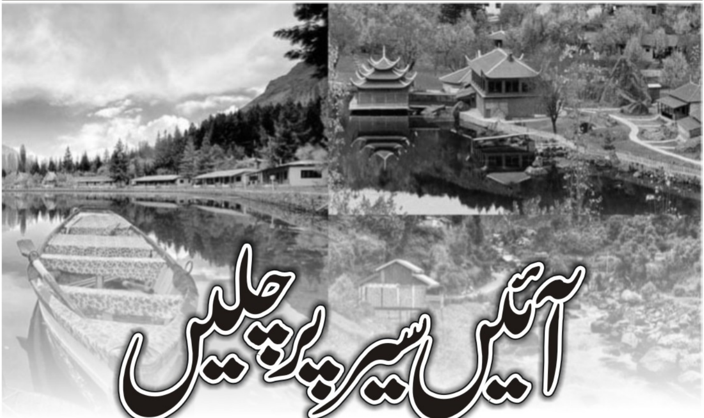
''استغفر اللہ! اتنی سخت وعید''

''جی ہاں احادیث مبارک کے علاوہ قرآن پاک میں بھی بلا عذر جہاد چھوڑنے والوں پر وعید انازل ہوئی ہے اور یہ آیت مبارکہ تو ہمیں اہل تشہیر اور دیگر مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑا ہونے کے لئے جھنجھوڑ رہی ہے:

''اور تمہیں کیا ہو گیا (کیا عذر ہے تمہارے پاس؟) کہ تم اللہ کے راستے میں قتال نہیں کرتے اور کمزور مرد عورتیں اور بچے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف حمایتی بنادے اور ہمارے لیے اپنی طرف سے مددگار بنادے۔''

نیز فرمایا: الذین آمنو یقاتلون فی سبیل اللہ ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہیں۔
اور میں تمہیں سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ سناتا ہوں جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے اور حدیث شریف میں یہ واقعہ پوری تفصیل سے مروی ہے۔
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گیا تھا۔ جس وقت غزوہ تبوک پیش آیا،

بقیہ صفحہ پر



آئیں سیر پر چلیں

پاکستان قدرتی خوبصورتی سے مالامال ایک حسین ترین ملک ہے۔آج کل گرمیوں کا زور ہے اوراسکول وکالج کی چھٹیاں ہیں تواگرآپ پلان کر رہے ہیں کہیں جانے کا تو یہ تحریر آپ کے لئے مفید ہوسکتی ہے۔

ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان کتنا خوبصورت ہے۔تو آئیے بات کرتے ہیں پاکستان کے چند حسین ترین مقامات کی جنہیں 'جنت نظیر' مقامات کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

وادی ہنزہ

وادی ہنزہ کا شمار پاکستان کی حسین ترین وادیوں میں ہوتا ہے۔وادی ہنزہ گلگت بلتستان کے پہاڑی علاقے میں واقع ہے، اس حسین وادی کو بے شمار پہاڑوں اور دریاؤں نے چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے جس سے اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہوگیا ہے،اسی لیے وادی ہنزہ کو 'پہاڑوں اور دریاؤں کا گھر' بھی کہا جاتا ہے۔

چاہے گرمی ہو یا سردی، خزاں ہو یا بہار ہر موسم میں یہ وادی اتنی حسین لگتی ہے کہ انسان کی نظریں اُس پر سے نا ہٹیں، سردیوں میں جب یہ وادی ہرے بھرے پتوں سے سج جاتی ہے اور یہاں کے دریا برف کی چادر اُوڑھ لیتے ہیں تو ایسا گمان ہوتا ہے جیسے 'جنت' زمین پر آگئی ہو اور اس سے بھی زیادہ دلکش وادی ہنزہ اس وقت لگ رہی ہوتی ہے جب خزاں کے موسم میں درختوں پر لال اور نارنجی رنگ کے پتوں کا عکس برف پر پڑ رہا ہوتا ہے۔

یہاں بڑی تعداد میں برفانی چیتے، مارخور اور

سرخ دھاری دار لومڑیاں پائی جاتی ہیں۔

جھیل سیف الملوک

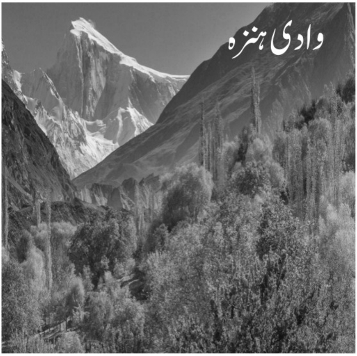
جھیل سیف الملوک بھی پاکستان کے چند حسین ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ یہ جھیل وادی کاغان میں ناران کے قریب واقع ہے۔ یہاں کے لیے یہ بات مشہور ہے کہ یہاں رات میں پُریاں اُترتی ہیں۔

نیلے رنگ کے صاف وشفاف پانی سے بھری اس جھیل کی اصل خوبصورتی اس کا 'آسمان بلند پہاڑوں' کے بیچ موجود ہونا ہے۔ جھیل سیف الملوک کا پانی اس حد تک صاف ہے کہ اس کے گرد پہاڑوں کا عکس اس پر نمایاں ہوتا ہے جسے دیکھ کر کوئی یقین نہ کرے کہ یہ عکس ہے بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے جھیل کے اندر پہاڑ ہیں۔

عطا آباد جھیل

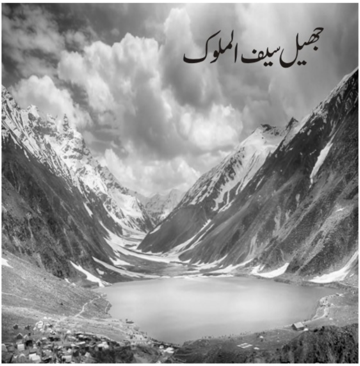
عطا آباد جھیل کا شمار پاکستان بلکہ ایشیاء کی سب سے خوبصورت ترین جھیلوں میں ہوتا ہے، یہ گلگت سے تقریباً 120 کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہے، ہنزہ کی وادی گوجل کی حدود میں ہونے کی وجہ سے اسے 'گوجل جھیل' بھی کہا جاتا ہے لیکن یہ عطا آباد جھیل کے نام سے ہی زیادہ مشہور ہے۔

عطا آباد جھیل بہت پرانی نہیں ہے بلکہ



2010 میں ہونے والی لینڈ سلائیڈنگ کے بعد اچانک یہ جھیل اُبھر کر سامنے آئی تھی، لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہمارے لیے ایک نایاب و بہترین تحفہ ہے۔ اس جھیل کی خوبصورتی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہاں جانے کے بعد سیاحوں کو سیف الملوک جھیل بھی خوبصورت نہیں لگتی۔

عطا آباد جھیل کی اصل خوبصورتی موسم گرما میں نظر آتی ہے جب برف تقریباً پگھل چکی ہوتی







ہے اور صاف وشفاف پانی دور سے نظر آرہا ہوتا ہے۔

وادی نیلم:

وادی نیلم آزاد کشمیر میں واقع ہے۔ اس وادی کے ساتھ ہی بہتے 'دریائے نیلم' کی وجہ سے اس کا نام بھی وادی نیلم پڑ گیا۔ نیلم ایک نیلے رنگ کے قیمتی پتھر کا نام ہے، اس جھیل کا پانی گہرا نیلا ہونے کی سبب اسے دریائے نیلم کا نام دیا گیا۔

یہ وادی پاکستان کی نہایت خوبصورت ترین وادیوں میں سے ایک ہے، جہاں بے شمار پانی کے چشمے بہتے ہیں، جہاں پہاڑ اور سبزہ بھی موجود ہے۔ نیز ہر قسم کا 'قدرتی حسن' یہاں پایا جاتا ہے۔

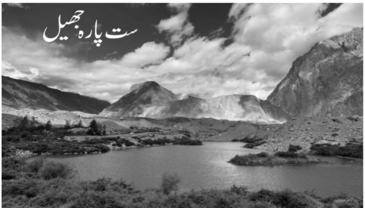
ست پارہ جھیل

پاکستان کی ایک اور خوبصورت ترین جھیل جو کہ 3000 میٹر سے بھی زیادہ بلندی پر ہے، یہ ست پارہ جھیل سکردو سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر دیوسائی جانے والے راستے پہ واقع ہے۔ اس جھیل کا پانی اتنا زیادہ نیلا ہے کہ دیکھنے والا دھوکہ کھا جائے کہ اصلی پانی ہے کہ نقلی لیکن یہ جھیل حقیقت میں اتنی ہی حسین ہے جیسی تصویروں میں نظر آتی ہے۔

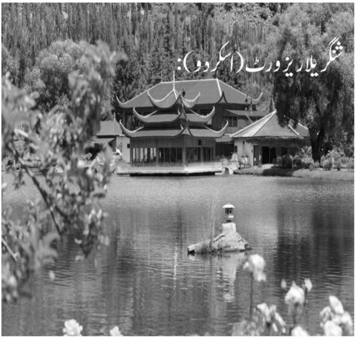
ست پارہ جھیل بھی باقی جھیلوں کی طرح پہاڑوں کے بیچ واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جھیل کا پانی میٹھا ہے اسی لیے یہاں سے پانی آس پاس کی وادیوں میں جاتا ہے۔

بابوسر ٹاپ، لولوسر جھیل

بابوسر ٹاپ وادی کاغان میں واقع ہے جو کہ بے شمار بلند پہاڑوں اور ہریالی پر مبنی ایک خوبصورت مقام ہے۔ بابوسر ٹاپ کی بلندی تقریباً 16 ہزار فٹ ہے، اس کی بلندی کی طرف جاتے ہوئے ہر موڑ پر دلکش نظارے جہاں آپ کو حیران







کردیتے ہیں وہیں راستے میں سطح سمندر سے 11200 فٹ بلند لولوسر جھیل کی سحرانگیزی اور جادوئی کشش آپ کو اپنی جانب کھینچنے لگتی ہے۔

ناران چلاس روڈ پر 3353 میٹر بلندی پر واقع لولوسر جھیل ناران کے قصبے سے ایک گھنٹے کی مسافت پر وادیٔ کاغان اور کوہستان کی سرحد پر واقع ہے۔لولوسر دراصل اونچی پہاڑیوں اور جھیل کے مجموعے کا نام ہے۔

جھیل کا پانی شیشے کی طرح صاف ہے اور لولوسر کی برف سے ڈھکی پہاڑیوں کا عکس جب جھیل کے صاف پانی میں نظر آتا ہے تو دیکھنے والوں کے دل موہ لیتا ہے یہ ایک قابل دید نظارہ ہوتا ہے۔

شنگریلا ریزورٹ (اسکردو):

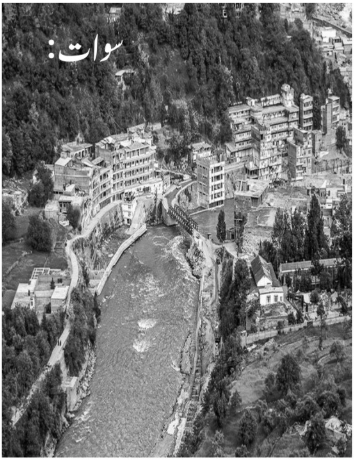
پاکستان کے تفریحی مقامات میں ایک نام 'شنگریلا ریزورٹ' بھی شامل ہے جو اسکردو سے کچھ دور واقع ہے۔ اس مقام کی خوبصورتی دراصل وہاں موجود ایک ریسٹورنٹ ہے جو کہ ایک ایئر کرافٹ کی طرز پر بنایا گیا ہے۔

شنگریلا ریزورٹ اسکردو شہر سے بذریعہ گاڑی تقریباً 40 منٹ کی دوری پر ہے۔

سوات:

پاکستان کے صوبے خیبر پختون خوا میں واقع وادی سوات کو ایشیاء کا 'سوئٹزرلینڈ' کہا جاتا ہے۔ سوات کو یہ خطاب ملکہ برطانیہ کی جانب سے 1961 میں پاکستان کے دورے پر دیا گیا تھا۔

سوات ہریالی، بلند پہاڑوں اور صاف شفاف جھیلوں پر مشتمل وادی ہے جو ملک کے سیاحتی ادارے کو ایک بڑی آمدنی فراہم کرنے میں سرفہرست ہے۔





حضرۃ مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

ایک بھولا ہوا سبق

اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کم ہمتی اور سستی سے...... اللھم انی اعوذبک من العجز والکسل...... یہ پیاری دعاء حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری امت کو سکھائی ہے...... میں جس شہر میں رہتا ہوں وہاں ایک معیاری اور قدیم انگریزی اسکول ہے...... اس ''اسکول'' کی تعلیم اس قدر مہنگی ہے کہ صرف جاگیرداروں، بڑے تاجروں اور رشوت خور سرکاری افسروں کے علاوہ کوئی اپنے بچے کو یہاں داخل نہیں کرا سکتا...... جس محلے میں میرا بچپن گزرا اس پورے محلے میں سے صرف ایک لڑکا اس اسکول میں داخلہ حاصل کرسکا...... وہ انکم ٹیکس کے ایک انسپکٹر کا بیٹا تھا...... چند سال پہلے میں اس اسکول کے باہر سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ اس کے وسیع وعریض میدان میں گھوڑے دوڑ رہے ہیں...... میں نے مقامی ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ ......انہوں نے بتایا کہ اس اسکول کے ''طلبہ'' پولو کھیل رہے ہیں...... اسکول کی طرف سے بہترین گھوڑوں پر پولو سکھانے اور کھیلنے کا مکمل انتظام موجود ہے...... ادھر کراچی شہر کے مضافات میں ایک ''دینی مدرسہ'' ہے...... پہلے وہ ایک زرعی فارم اور بھینس باڑہ تھا...... ویرانی کا فائدہ اٹھا کر...... علاقے کے ڈاکو ساری بھینسیں بھگا کر لے گئے...... تمام بھینسیں خاموشی سے چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ چلی گئیں...... کیونکہ ''جس کی لاٹھی اسی کی بھینس''...... فارم کے مالک پر اللہ تعالیٰ نے نظر کرم فرمائی...... اس نے بیس ایکڑ پر محیط یہ پوری زمین...... دین کیلئے وقف

کر دی...... دین کے جن خادموں کو یہ زمین دی گئی وہ بے چارے خالی ہاتھ تھے...... چنانچہ فارم کے مالک نے ان کے ساتھ مزید تعاون کیا کہ پوری زمین کے گرد چار دیواری بنوادی...... ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرادی...... اور بھینسوں کی سابقہ رہائش گاہ میں کچھ ترمیم واضافہ کر کے اسے رہائشی کمروں کی صورت دے دی...... اور یوں صدقہ جاریہ کا ایک میٹھا دریا جاری ہوگیا...... فارم کے مالک نے دو گھوڑے بھی پال رکھے تھے...... وہ گھوڑے بھی اس نے مدرسہ میں دے دیئے...... مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ...... کبھی کبھار ان گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنا بدن ہلکا کرتے اور باہر سے آنے والے مہمانوں کو...... گھڑسواری کی دعوت دیتے...... کراچی سے باہر ایک بیابان میں واقع اس غریب مدرسہ کے غریب طلبہ گھوڑے کی پیٹھ پر کیا بیٹھے کہ ہر طرف خطرے کے الارم بجنے لگے...... ہوشیار، خبردار! مولوی ٹریننگ کر رہے ہیں، مولوی ٹریننگ کروا رہے ہیں...... چنانچہ جہاں تک سڑک نہیں پہنچ سکی وہاں تک حکومتی ایجنسیوں کے اہلکار پہنچنے لگے...... کئی ادارے حرکت میں آ گئے...... پوری عالمی برادری کے کان کھڑے ہو گئے...... اور مدرسہ کی انتظامیہ سے ''پوچھ تاچھ'' کا سلسلہ شروع ہوگیا...... معلوم ہوا ہے کہ اب وہ گھوڑے مدرسہ سے نکال دیئے گئے ہیں...... لیکن تازہ معلومات کے مطابق انگریزی اسکول کے گھوڑے بدستور دوڑ رہے ہیں...... اور ان پر کسی خفیہ ایجنسی یا سرکاری ادارے کو کوئی اعتراض نہیں ہے......

دیکھا آپ نے کتنی عجیب بات ہے؟......

مدرسہ میں دو گھوڑے برداشت نہ ہوسکے اور انگریزی اسکول میں درجنوں گھوڑے سر آنکھوں پر...... وجہ بالکل واضح ہے کہ دنیا کے لوگ...... علماء، دینی مدارس کے طلبہ اور دیندار مسلمانوں کو سست اور کمزور بنانا چاہتے ہیں...... آج پاکستان کے ہر اسکول میں پی ٹی ماسٹر ہوتا ہے...... اسکولوں میں ورزش کا باقاعدہ انتظام ہے اور یہ ایک لازمی چیز ہے...... لیکن کیا مدرسہ میں بھی ورزش ممکن ہے؟...... آپ دو دن طلبہ کو ورزش کرائیں، تیسرے دن ملک کے محافظ...... اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے پہنچ جائیں گے...... اور بتائیں گے کہ یہ کام آپ لوگ نہ کریں...... اس سے پاکستان پوری دنیا میں ''بدنام'' ہوتا ہے...... اور پوری دنیا کو یہ ''میسیج'' جاتا ہے کہ دینی مدارس میں جہاد کی تربیت ہوتی ہے...... چنانچہ ورزش بند......

اے مسلمان بھائیو! یہ صورتحال بہت خطرناک اور نقصان دہ ہے...... دینی طبقہ اگر سست ہوگیا تو اس کا نقصان پوری امت کو اٹھانا پڑے گا...... آج ساری دنیا میں ورزش کا دور دورہ ہے...... برطانیہ اور یورپ کے لوگ گھوڑ

سواری کرتے ہیں...... کشتی رانی کرتے ہیں...... پیلی نسل کے لوگ جوڈو کراٹے کے فن میں خوب محنت کر رہے ہیں...... بدھ مذہب کے بھکشو (مذہبی رہنما) اپنے مذہبی اداروں میں باقاعدہ لڑائی اور دفاع کا فن سیکھتے اور سکھاتے ہیں...... اور اسے اپنے مذہب کا حصہ سمجھتے ہیں...... ہندوؤں میں جگہ جگہ یوگا کے مراکز اور پہلوانی کے اکھاڑے کھل گئے ہیں...... اور تقریباً ہر قوم اپنے جسم کو سستی اور کمزوری سے بچانے کی محنت کر رہی ہے...... اس سب کے باوجود ایک سوچی سمجھی ''اسکیم'' کے تحت دیندار مسلمانوں کو زبردستی سستی میں دھکیلا جارہا ہے...... تاکہ...... دین کی امانت اٹھانے والوں کو کمزور کیا جاسکے...... اس لیے اب جبکہ امریکا اور یورپ نے مسلمانوں کے خلاف ہر طرف ظلم، دل آزاری اور گستاخی کے محاذ کھول دیئے ہیں...... مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق خود کو چٹانوں کی طرح مضبوط اور چیتے کی طرح چست بنانا چاہئے...... اسلام دنیا کا واحد دین ہے جس میں مذہبی طور پر ''سستی'' کو گناہ قرار دیا گیا ہے اور جس طرح کفر اور نفاق سے پناہ مانگی گئی ہے...... اسی طرح سستی اور کم ہمتی سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے...... اسلام میں گھڑسواری ایک اعلیٰ عبادت اور جہاد کے لئے گھوڑا پالنا ایک بڑی نیکی ہے...... ہمارے آقا حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم...... خود بہت زبردست اور ماہر گھڑسوار تھے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین تیر انداز تھے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتی میں عرب کے نامور پہلوانوں کو شکست دی...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود دوڑ لگایا کرتے تھے...... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے کا ہر مروّجہ ہتھیار چلانا جانتے تھے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اندازی، گھڑسواری...... اور نیزہ بازی کی محفلوں میں شرکت فرماتے تھے...... اور اس طرح کی محفلوں کی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے...... جبکہ...... اس کے برعکس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا پیٹ بڑھا ہوا دیکھتے تو اس کو پسند نہیں فرماتے تھے...... اور نہایت لطافت کے ساتھ اس پر تنبیہ فرماتے تھے...... حضرات صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تمام اداؤں کو اپنا لیا...... اور اپنے جسموں سے سستی کے آخری قطرے تک کو نچوڑ کر پھینک دیا...... ان حضرات کے نزدیک ''بزرگ'' وہ نہیں ہوتا تھا جو عورتوں کی طرح ہر وقت لپیٹا لپٹایا رہے...... نزاکت سے چلے اور سستی کا گودام ہو...... بلکہ ان کے ہاں تقویٰ اور بزرگی کا معیار کچھ اور تھا......

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوڑ لگا کر چھلانگ لگاتے اور گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جاتے...... آج کوئی عالم دین اس طرح کرے تو لوگ کہیں گے اس میں ''تقویٰ'' نہیں ہے...... اور ممکن ہے

اس کے کئی مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیں...... یہ لوگ چاہتے ہیں کہ علماء میں ''نفاق'' پیدا کر دیں...... اور ان کے جسموں کو بے کار اور بے ڈھنگا بنا دیں...... دارالعلوم دیوبند کے تمام پرانے فضلاء بتاتے ہیں کہ وہاں جسمانی ریاضت اور ورزش کا مکمل انتظام موجود تھا...... فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کو تو ہم نے خود دیکھا کہ بنوٹ وغیرہ کے کتنے ماہر تھے...... کچھ عرصہ پہلے راولپنڈی میں دیوبند کے فاضل ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے بھی دیوبند میں لاٹھی سیکھی اور کئی دیگر امورِ حرب کی تربیت لی...... دراصل کافروں نے ہماری ناک کاٹنے کیلئے ان چیزوں کے خلاف اتنا شور مچا دیا ہے کہ ہم نے بھی...... بدنامی سے بچنے کیلئے اپنے ہاتھوں سے اپنی ناک کاٹنی شروع کر دی ہے...... کیا ورزش جرم ہے؟...... کیا کشتی سیکھنا جرم ہے؟...... دفاع تو ہر انسان کا بنیادی حق ہے پھر اس سے اسے کس طرح محروم کیا جا سکتا ہے...... پھر ہمارا دین تو دعوت اور جہاد والا دین ہے...... اس میں بیٹھنے کا تصور ہی نہیں ہے...... صحابہ کرام چلتے رہے، لڑتے رہے، بڑھتے رہے تو دین پورے عالم تک پہنچا...... ماضی میں ہمارے تمام اسلاف بہت مضبوط، بہت چست اور بہت بہادر تھے...... حضرت امام بخاریؒ کی ورزش اور تلوار بازی مشہور ہے...... حضرت عبداللہ بن مبارک کی تلوار بازی شہرۂ آفاق تھی...... حضرت امام احمد سرماری لکڑی کی چوب سے تلواروں کا مقابلہ کرتے تھے...... یہ حضرات بہت شوق سے گھڑسواری کرتے تھے...... یہ کونے سنبھال کر بیٹھ جانے کی ''بدعت'' تو علماء میں بہت بعد میں پیدا ہوئی ہے...... اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم لوگ اپنے جسموں کو امراض کا ''میڈیکل اسٹور'' بنانے کی بجائے...... چستی اور محنت کا خزانہ بنائیں...... دیندار مسلمان اپنی ڈاڑھی اور دستار کو ورزش کے راستے کی رکاوٹ نہ سمجھیں کہ لوگ ہنستے ہیں...... آپ پاگلوں کو ہنسنے دیں...... اور ورزش کو معمول بنائیں...... دینی مدارس کے طلبہ تو ورزش اور جسمانی ریاضت کو خود پر فرض قرار دیں تاکہ دین کی امانت کا درست حق ادا کر سکیں...... اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ...... ہم لوگوں سے اس سلسلے میں جو غفلت اور سستی ہوئی تھی...... اس کا انجام تو ہم طرح طرح کی ''بیماریوں'' اور ''بے کاریوں'' کے ذریعہ بھگت رہے ہیں...... اب ہمیں...... اپنی آئندہ نسل پر رحم کرنا چاہئے...... آج سے ہی اپنے بچوں کے لئے جسمانی صحت...... اور جسمانی قوت کا ایک بہترین نصاب بنائیں...... اور پھر اسلام کے مستقبل کی خاطر عبادت سمجھ کر اس نصاب پر محنت کریں...... آپ اپنا ذہن بنالیں کہ ایک مسلمان کو کیا ہونا چاہئے؟...... بس پھر اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو ویسا

بنانے کی محنت شروع کر دیں...... ہمارا بیٹا بہترین گھڑسوار ہو...... ہمارا بیٹا کشتی اور کراٹے کا فن جانتا ہو...... ہمارا بیٹا تیراکی کا ماہر ہو...... ہمارا بیٹا جب پندرہ سال کی عمر میں پگڑی باندھ کر گھوڑے کی باگ پکڑے تو پتا چلے کہ کوئی مسلمان نوجوان آ رہا ہے...... ایسا نہ ہو کہ...... اس کے کمزور جسم اور انگریزی بالوں کو دیکھ کر...... یہ پہچاننا مشکل ہو جائے کہ یہ ہی ہے یا شی؟......

چہرے پر ڈاڑھی...... مسنون بال...... سر پر عمامہ یا ٹوپی...... دین کا علم...... مضبوط عقیدہ...... پاکیزہ مزاج...... سخت اور پھرتیلا جسم...... عقابی آنکھیں...... افلاکی عزائم...... ذکر کی محبت...... فکر آخرت ...... تمام مروّجہ ہتھیاروں کی مہارت، تیراکی...... تیراندازی، کشتی رانی...... خوشخطی...... علم تجوید و قرأت میں مہارت...... اور چیتے جیسے تیزی ...... کیا آپ امت مسلمہ کو ایک ایسا بیٹا دینے کو تیار ہیں؟...... یا...... کمزور، لاغر...... بدنظر، میوزک کا شوقین...... منہ چھیلا...... فارمی انڈا...... ایسا نوجوان مسلمانوں کے کس کام کا؟...... یہ تو ”بش اور بلیئر“ کے کام آئے گا...... اس لیے اب مزید دیر نہ کریں فوری طور پر اپنی اولاد کی طرف توجہ دیں...... ان کی غذا پر غور کریں اور اسے صحت منداور سادہ بنائیں...... ٹافیاں، بسکٹ، چیونگم اور سافٹ ڈرنک بالکل بند کر دیں...... گندم، مکئی اور جوار کی روٹی کا عادی بنائیں...... اور دودھ اور پھلوں پر لائیں...... پھر ان کی جسمانی ورزش اور تربیت کا کوئی محفوظ اور پاکیزہ نظام بنائیں...... پھر ان کے ماحول کو صحت مند رکھنے کیلئے...... انہیں ٹی وی، ناول، ویڈیو گیمز، کمپیوٹر...... اور بلیئرڈ سے بچائیں...... اور برے لوگوں کی صحبت سے انہیں نفرت دلائیں...... پھر ان کی دینی تعلیم کا بندوبست کریں...... تجوید، حفظ اور دینی علوم...... اور ساتھ ساتھ ان کے نظریات میں...... ایمانی غیرت کی بجلی ابھی سے بھرتے جائیں...... اور یہ کام بچوں کی مائیں، پھوپھیاں اور خالائیں بہترین انداز میں کر سکتی ہیں...... ٹھیک ہے ہم لوگ خود کچھ نہ بن سکے...... مگر...... ہم مدینہ منورہ کی گود میں اپنے جوان اور کڑیل بیٹے تو ڈال سکتے ہیں...... ٹھیک ہے ہمارے جسم بنانے کا وقت غفلت میں گزر گیا...... مگر ہم...... اپنے بچوں کو تو مضبوط چٹانیں بنا سکتے ہیں......

اے مسلمانو!...... یہ دین کی پکار ہے...... اور یہی ہمارے پیارے دین ”اسلام“ کا تقاضا ہے!

آئیے پھر صدق دل سے...... سستی اور کم ہمتی کے عذاب سے بچنے کی دعاء سب مل کر مانگتے ہیں......

اللھم انا نعوذبک من العجز والکسل . . .

آمین یا رب الشھداء والمجاھدین ویا رب العالمین

☆......☆......☆

قربانی اور کشمیر

عشوا رانا

آج ٹریفک کا رش معمول سے زیادہ تھا۔

ارحم گاڑی میں بیٹھا انگلیوں پہ گن رہا تھا کہ اسکول کھلنے میں کتنے دن باقی ہیں جبکہ ارحم کے ابو اس کے اشاروں پر مسکرا رہے تھے۔

''بابا! ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اچانک ارحم کو خیال آیا تو اس نے پوچھا۔

''ہم منڈی جا رہے ہیں بیٹا!''

''وہ کیا ہوتی ہے؟'' ارحم پانچ سال کا چھوٹا سا بچہ تھا۔

''وہاں سے ہم پیارا سا جانور خریدیں گے'' سعد نے پیار سے جواب دیا۔

ارحم کے چہرے پہ تجسس بڑھ گیا۔ کچھ دیر کے سفر کے بعد وہ ایک بڑے سے میدان میں پہنچے۔ ارحم نیچے اترا تو ہر طرف جانور ہی جانور تھے۔ ایسی گائے بکریاں اس نے اپنے گاؤں میں دیکھیں تھیں۔ وہ شوق سے اپنے ابو کے ساتھ جانور دیکھتا رہا بالآخر انہیں ایک بکرا پسند آ گیا اور وہ خرید لائے۔ ارحم کو بالکل بھی ڈر نہیں لگ رہا تھا بلکہ اسے تو وہ بکرا اور بھی پیارا لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

پورے علاقے میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہر طرف دکانیں بند اور سڑکیں خالی تھیں۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے یہ علاقہ برسوں سے خالی ہے۔ ہر چوک ہر نکڑ پہ فوجی وردی میں ملبوس کرخت چہرے والے انسان چکر کاٹ رہے تھے۔

رومان نے اپنے گھر کی کھڑکی ذرا سی کھولی، وہ دوسری منزل پہ موجود تھے۔

''شش... آپ کو منع کیا ہے نا.. بیٹا! بات مانتے ہیں'' زرمینہ نے اس کے ہاتھ تھامتے کھڑکی بند کی تھی۔

''یہ پھر کیوں آ گئے ہیں؟ یہ روز ہی آتے رہتے ہیں۔ ہم کیوں نہیں باہر نکل سکتے۔ مجھے کھیلنا



ہے" وہ رو دینے کو تھا۔زرمینہ نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا۔

"یہ جائیں گے یہاں سے، ضرور جائیں گے، پر بیٹا آپ کو صبر کرنا ہو گا کچھ دن اور..سب ٹھیک ہو جائے گا" ایک چھوٹے بچے کو اس سے بہتر الفاظ میں وہ نہیں سمجھا سکتی تھی۔

"آپ نے بتایا تھا عید میں ہفتہ باقی ہے، اگر یہ یہیں رہیں گے تو عید کیسے ہو گی....مجھے تو ابھی سوٹ بھی لینا ہے اور بابا کہہ رہے تھے اس عید پہ جانور کی قربانی بھی کرتے ہیں"

ان معصوم سوالوں کے زرمینہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔اسے پتا تھا اس کا بیٹا تھوڑا اور بڑا ہو گا تو سب سمجھ جائے گا پھر ایسے سوال بھی نہیں کرے گا۔ابھی وہ کچھ کہنے والی تھی کہ گولیوں کی مسلسل گونج پہ رومان سہم کے اس کے ساتھ آلگا۔

☆......☆......☆

"بابا! میرے دوست کے گھر بھی بکرا آیا ہے اور آپ کو پتا ہے عمر کے گھر اتنی بڑی گائے ہے..کیا ان سبھی کو مار دیں گے ہم عید پہ؟"

ارحم بکرے کے سامنے گھاس ڈالتا سوال پوچھ رہا تھا۔سعد نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"اسے مارنا نہیں قربانی کہتے ہیں۔یہ اللہ کی راہ میں کی جاتی ہے.میں نے آپ کو سنایا تھا نا حضرت ابراہیم علیہ لسلام اور ان کے بیٹے کا واقعہ"

"جی بابا!.مجھے یاد ہے...ہم قربانی کریں گے۔آپ کو پتا ہے میں نے مما سے کہا میں اس بار سفید رنگ کا سوٹ پہنوں گا۔چودہ اگست بھی قریب ہے نا...آپ نے مجھے آزادی والی کہانی بھی سنانی ہے"

ارحم ابھی سے بہت باتیں کرنے لگا تھا۔سعد اکثر اس کی باتوں پہ مسکراتے رہ جاتے۔

☆......☆......☆

ساتھ والے گھر سے مسلسل چیخ و پکار کی آوازیں آرہی تھیں۔آج پھر ایک اور شہادت ان کے محلے کا مقدر بنی تھی۔مگر یہ چیخ و پکار رونے کی نہیں، اس شور کی تھی جو آزادی کے نعرے سے گونج اٹھا تھا۔

رومان نے پھر کھڑکی کھول کے دیکھا۔ سامنے والے گھر میں ایک سبز جھنڈے میں خاموش ایک لڑکا لیٹا تھا۔جس پہ خون ہی خون لگا تھا اور اس کا چھوٹا بھائی، ہاں یہ تو علی تھا"لے کے رہیں گے آزادی کے نعرے" لگا رہا تھا۔اونچی آواز سے نعرہ لگاتے وہ اچانک رو پڑا..... سب رو پڑے....ایسا اس نے پہلے بھی دیکھا تھا.شاید ہر دوسرے تیسرے روز۔

☆......☆......☆

عید کا دن آپہنچا تھا۔ہر طرف گہما گہمی تھی۔سب عید کی نماز پڑھ کے ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔آج مسجد میں خصوصی دعا بھی کرائی گئی تھی۔سب کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

ارحم کو بس کشمیر سمجھ آیا تھا۔نماز کے بعد اس کے بابا ایک انکل کو ساتھ لے آئے جن کے ہاتھ میں بڑی سی چھری تھی۔ارحم کو سعد نے اندر جانے کا کہا۔

”بابا! مجھے ڈر نہیں لگتا، میں بہادر ہوں، ہم اس کی قربانی کر رہے ہیں ناں!“

وہ پر جوش تھا۔جیسے ہی قصائی نے چھری پھیری، ارحم جو یک دم پیچھے ہونا لگا تھا...کچھ چھینٹے خون کے اس کے سفید سوٹ پہ لگ گئے...خون کے وہ دھبے نمایاں تھے مگر قربانی کے تھے۔

☆......☆......☆

آج بھی ہر طرف سناٹا تھا۔پتا نہیں عید کی نماز پڑھنے دی گئی کہ نہیں، پر بہت دیر سے اس کے ابو گھر آئے تھے۔رومان باہر جانا چاہتا تھا پر زرمینہ مسلسل نظر رکھے ہوئے تھی۔زرمینہ نے اسے سفید سوٹ پہنا دیا تھا جو اس کی خواہش پہ سلا تھا۔

”ہم قربانی کیوں نہیں کر رہے، مجھے باہر جانا ہے، دوستوں ساتھ کھیلنا ہے، یہ وردی والے جاتے کیوں نہیں؟“

زرمینہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا..وہ اسے مختلف چیزوں سے بہلا رہی تھی، اس کا ایک ہی بیٹا تھا..وہ اسے کسی قیمت کسی بھی طرح کھونا نہیں چاہتی تھی۔

اچانک دوپہر میں ساتھ والے گھر سے پھر شور بلند ہوا۔اسکے ابو بھاگ کے گئے، اور خود زرمینہ بھی ....وہ چپکے سے دروازہ کھول کے زرمینہ کے پیچھے آٹھہرا..

سامنے علی خون میں لت پت پڑا تھا۔

وردی والوں کو اپنے بھائی کو مارنے کا غصہ اتارتے پتھر مارتے کسی ان دیکھی گولی کا نشانہ بن چکا تھا۔زرمینہ جو رومان کو اندر جانے کا کہہ رہی تھی وہ یک دم ہی بولا۔

”میں بہادر ہوں....مجھے ڈر نہیں لگتا...پر امی کیا ہم عید پہ بھائی قربان کرتے ہیں؟“ وہ اسے گلے لگاتے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

☆......☆......☆

دو ملکوں کے درمیان اک لکیر نے غلامی اور آزادی کے فرق کو واضح کر دیا تھا۔وہ بھی جنگ تھی جو آزادی کے لیے ہماری بڑوں نے لڑ کے ہم پہ احسان کیا تھا اور یہ بھی جنگ ہے جو اتنے ہی سالوں سے مسلسل جاری ہے۔

آزاد فضا میں کھلی آنکھ، بارود اور گولیوں کی بارش میں لیے گئے سانس سے بھی آزاد ہوتی ہے۔اس آزادی کی نعمت کی اتنی ہی قدر کیجئے ...اور ان معصوم دلوں کو بہادری اور ہمت اور ہمسایہ ملک میں خوف اور آتش میں بڑے ہوتے ان بچوں کی داستانیں ضرور سنایئے جو محض آزادی کی، اپنے حق کی خاطر سب سہہ رہے ہیں۔

کشمیر پہ صرف کشمیریوں کا حق ہے اور وہ ہمارے اپنے ہیں اور رہیں گے۔

☆......☆......☆

تحفہ



عمار حسین

گول مٹول چہرہ، کالی کالی آنکھیں، چھوٹے چھوٹے موٹے ہاتھ، معصومیت بھری شرارتیں اور لڑکھڑا کے چلنا۔ چلتے چلتے ٹھوکر کھا کر گرنا اور گر کے پھر چلنا شروع کر دینا۔ کچھ کچھ سمجھ آنے اور کچھ نہ سمجھ آنے والی باتیں کرنا۔

دو ڈھائی سال کا بابر اسے سارا دن دفتر میں بھی کھیلتا نظر آتا تھا، اس کا پہلا بیٹا اس کی اکلوتی اولاد۔ بابر کے ساتھ اس کی زندگی میں نئے رنگ اترے تھے اور زندگی کی خوشیاں طلوع ہوئی تھیں۔ زندگی پھر سے اسے زندگی لگنے لگی تھی۔ اس کا سارا دن بیٹے کے خیالوں میں گزرتا اور شامیں اس کے ساتھ کھیلتے گزرتی تھیں۔

ارشد کی خزاں رسیدہ زندگی میں بہار آ گئی تھی۔ وہ سرکاری دفتر میں کلرک تھا۔ دفتر کے جھمیلوں میں بھی بابر اس کے خیالات پر چھایا رہتا۔ کبھی دھیان بٹ جانے کی وجہ سے وہ کوئی کام الٹا سیدھا کر دیتا جس کی وجہ سے اسے اچھی خاصی ڈانٹ سہنا پڑتی۔ تنخواہ کا دامن اس قدر تنگ تھا کہ زندگی کی ضروریات مشکل ہی سے پوری ہوتی تھیں۔

ارشد بیٹے کو زندگی میں تمام خوشیاں دینا چاہتا تھا جن سے وہ خود محروم رہا تھا۔ وہ اپنا پیٹ کاٹ کر اسے ہر آسودگی مہیا کرنا چاہتا تھا۔ بابر کی تیسری سالگرہ قریب تھی۔

وہ بیٹے کی سالگرہ کے لیے کوئی قیمتی تحفہ خریدنا چاہتا تھا۔

آج دفتر کا وقت ختم ہوا تو اس نے موٹر سائیکل سٹینڈ سے موٹر سائیکل نکالی اور باہر کا رخ کیا۔ سڑک پر گاڑیوں کا رش تھا۔ رکشے دھواں چھوڑتے شور مچاتے گزر رہے تھے۔ بابر کے خیالات وہاں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھے۔



ارشد کا رخ بازار کی طرف تھا۔اب وہ ایک پر رونق بازار میں پہنچ گیا۔ جہاں خریداروں کا ہجوم تھا۔اسے بابر کی دوسری سالگرہ کے لیے تحفہ تلاش کرنا تھا۔وہ مختلف کانوں پر طرح طرح کی چیزیں دیکھتا گیا۔

کافی دیر تک گھومنے پھرنے کے بعد اسے ایک کھلونا کوٹھی پسند آئی۔بٹن دبانے پر کوٹھی کے اندر موسیقی بجتی اور روشنیاں جلتی بجھتی۔

زندگی میں اس نے بابر کے لیے ایسی ہی کوٹھیوں کے خواب دیکھے تھے۔ یہی اسے سب سے بہتر اور مناسب تحفہ لگا۔

ارشد نے قیمت دریافت کی۔

''پانچ ہزار روپے۔'' دکاندار بولا۔

اسے تارے دن میں ناچتے نظر آئے، دکاندار کو پھر آنے کا کہہ کر وہ گھر روانہ ہو گیا۔گھر پہنچ کے اس نے موٹر سائیکل کھڑی کی۔ بابر سو رہا تھا۔ ارشد نے اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا۔

ارشد نے الماری کے اوپر رکھا ڈبہ اتارا اور روپے نکال کر گننے شروع کر دیے۔وہ دو ہزار روپے تھے۔تحفہ خریدنے کے لیے اسے تین ہزار روپے مزید درکار تھے۔ اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔

''آپ پریشان کیوں ہیں؟'' بابر کی ماں جو اچانک کمرے میں داخل ہوئی تھی ،ارشد کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر بولی۔

''نہیں ایسی بات نہیں'' ارشد اسے ٹال کر باہر نکل گیا۔

اس کا رخ شوکت کے گھر کی طرف تھا۔دونوں ایک ہی دفتر میں تھے اور ارشد اکثر اس سے پیسے ادھار پکڑ لیا کرتا تھا۔شوکت اس کا لنگوٹیا یار تھا۔

''شوکت یار! تین ہزار روپے چاہئیں۔''

ارشد نے سلام دعا کے بعد مدعا بیان کیا۔

''ایسی کیا ضرورت آن پڑی میرے یار!''

شوکت نے جیب میں سے نوٹ نکالتے ہوئے کہا۔

''بس یار! پڑ گئی ہے ضرورت'' اس نے نوٹ جیب میں رکھے اور گھر کا رخ کیا۔

ارشد کا اگلا سارا دن بے چینی میں گزرا۔اس نے جیب میں سے دو تین مرتبہ نوٹ نکال کر گنے ۔پورے پانچ ہزار تھے۔آج تو چھٹی کا وقت معمول سے کچھ زیادہ ہی دور لگ رہا تھا۔

ارشد بار بار گھڑی دیکھتا۔ جیسے تیسے کر کے دو بجے۔اس نے بازار کا رخ کیا۔بازار میں پہنچ کر وہ اس دکان کی طرف ہو لیا۔جس دکان پہ وہ کھلونا کوٹھی تھی وہ بازار کے آخری سرے پر تھی۔

وہ دو چار قدم آگے چلا تو ایک پوسٹر اس کے سامنے آ گیا۔

ایک عورت نے پوسٹر پر پیوند لگے کپڑے پہن رکھے تھے۔گال پچکے ہوئے تھے۔ ہاتھوں

کی رگیں ابھری ہوئی تھیں ۔اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ لرزتے محسوس ہو رہے تھے ۔

اس کے ساتھ دو سال کا لاغر کمزور سا بچہ تھا۔ لگتا تھا اس بچے نے عرصے سے کچھ نہیں کھایا۔ لڑکے کا چہرہ گول مٹول تھا بالکل بابر کی طرح مگر اس کے رخسار اندر کو دھنس گئے تھے۔ ہڈیاں ایسے ابھری ہوئی تھیں جیسے صحرا میں ریت کے ٹیلے بھرے ہوں۔ آنکھوں میں ویرانی سی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں ایک پیالہ تھا۔

سامنے ایک ڈبہ دھرا تھا جس میں آتے جاتے لوگ پیسے ڈالتے جا رہے تھے۔

یہ عورت فلسطینی ماں تھی اور بچہ بھی اسی کا تھا۔ ایک تنظیم کے عہدے دار اپنی مسلمان بہن کی یہ حالت دکھا کر سوئے ہوئے ضمیروں کو جگا رہے تھے ۔اس نے آگے بڑھنا چاہا مگر اس تصویر نے اس کے قدم روک لیے ۔

ارشد نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔اس کے ہاتھ میں پانچ نوٹ تھے جو وہ صبح سے تین مرتبہ گن چکا تھا۔اس نے گنے بغیر وہ نوٹ ڈبے میں ڈال دیے۔

ارشد نے موٹر سائیکل واپس موڑی۔اس کا رخ گھر کی طرف تھا۔رنگ برنگی روشنیوں والی کوٹھی دکان پر ہی پڑی تھی ۔

سالگرہ پر بابر کے لیے ڈھیر ساری دعاؤں کا تحفہ سمیٹے وہ گھر کی طرف رواں دواں تھا۔

ایک اور بابر کے لیے دی گئی یہ قربانی اسے اندر تک سرشار کر گئی تھی۔

☆......☆......☆

مٹی کا بنا انسان

آپ مٹی سے بنائے گئے ہیں، نا کہ آگ سے جو کہ آپ خود کو شیطان منواتے پھریں۔

نا ہی نور سے جو آپ کو فرشتہ کہلانے کا شوق ہے۔

اگر کوئی آپ کی تعریف کرتا ہے تو اس میں آپ کا کوئی کمال نہیں ہے۔

کمال اس ذات کا ہے جس نے آپ کے برے اعمال پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔

تو ہمیشہ شکر ادا کریں، زندگی کو سادہ رکھیں اور تکبر سے بچ کر رہیں۔

☆☆☆☆☆

عبیرہ احمد

خبرنامہ

بنت سید اعجاز شاہ ہاشمی



محترم قارئین! پیارے بھائیو اور بہنو!

السلام وعلیکم!

یہ ہے ریڈیو مسلمان بچے اور میں ہوں آپ کی اپنی آرجے بنت سید اعجاز شاہ، مسلمان بچے کی خبروں کے ساتھ۔ سب سے گزارش ہے کہ سانس روک کے دل ٹھوک کہ اپنا دل تھام کہ رکھیے۔

پہلے یہ کہ جب ہمارے پڑوسی صاحب صبح سویرے اٹھتے ہیں تو نماز قرآن کے بعد وہ مبارک زیارت مسلمان بچے کی کرتے ہیں۔

ان کے دماغ کے مطابق صبح نہار منہ مسلمان بچے پڑھنا صحت کیلئے مفید ہے لیکن اپنے بیوی سے مار بھی پڑتی ہے (کیونکہ رسالے میں منہمک ہو کر بیوی کی باتیں نہ ماننے کی وجہ سے)

اب آتے ہیں خبروں کی طرف۔

تفصیلات کے مطابق ام محمد عبداللہ کی تحریر ''ابابیلیں آیا چاہتی ہیں'' کو قابل تعریف ٹھہرایا گیا ہے۔

ان کی تحریر کی وجہ سے تین چاند لگ گئے ہیں۔

☆......☆......☆

تازہ ترین خبر ملی ہے کہ محمد فیصل علی کی تحریریں رسالے کی بہترین تحریریں ہوتی ہیں۔

انہیں 10 روپے کے انعام سے نوازا جاتا ہے۔

مہنگائی ہے اس لئے 10 روپے سے نواز رہے ہیں ورنہ آپ کو بہت زیادہ دیتے۔

امید ہے شکریہ کہیں گے۔

☆......☆......☆

ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ سیدہ ناجیہ صاحبہ نے رسالے میں پکی جگہ پکڑلی ہے۔

اور ہم قربان جائیں مدیر پر کہ اس نے ناجیہ کو پکا کر دیا خیر مدیر کی اپنی مرضی اور رسالے کو محترمہ ناجیہ کی ضرورت ہے۔

☆......☆......☆

ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ رسالے کے اندر چشمے کی ضرورت پڑگئی ہے۔

☆......☆......☆

تازہ خبر ہے کہ سب ادارے والے زبیر طیب کے گھر کے باہر دھرنہ لے کر کھڑے ہیں کہ کوئی قسط وار کہانی لکھیں اور زبیر بھائی بچنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

☆......☆......☆

ہمارے بیسٹ برین ہارٹ کو تسلیمہ موسیٰ کی کہانی بڑی اچھی لگتی ہے جسکی بناء پر تسلیمہ کو 15 روپے (محترم فیصل علی سے 5 روپے زیادہ) مل جانے کا امکان ہے، تسلیمہ جی انتظار کیجئے گا۔

☆......☆......☆

تفصیلات کے مطابق محترم بوجھ بھکڑ صاحب کے محل میں بٹنے والے گوشت سے ابوشفاء صاحب محروم رہ گئے ہیں اور ساتھ میں ہمشیرہ محمد احمد بھی۔

وجہ یہ ہے کہ دونوں نے (دانش کدہ) بوجھ بھکڑ کی بات نہیں مانی اس لئے گوشت تو ان سے گیا لیکن رحم دل بوجھ صاحب نے کہا ہے کہ ان کے گھر آئیں ضرور پہنچ جائیں گی۔

☆......☆......☆

آئیے کچھ موسم کے بارے میں بات کریں۔

خبر کے مطابق ڈاک کا نظام بہت سست ہے اسی کی بناء پر سب کی کوئی نہ کوئی تحریر ردی ٹوکری میں چلی گئی۔

بھائی ابوامامہ کو لارج ڈول کی اشد ضرورت ہے۔ ایک تو امامہ صاحب کو ڈاک والے دوسرا واٹس ایپ والے تنگ کر رہے ہیں۔ اسی لئے کوئی بڑی بالٹی ڈھونڈی جا رہی ہے۔

☆......☆......☆

خبروں کا وقت ختم ہوا۔ اب اجازت دیجئے!

والسلام

☆......☆......☆

بیعت

حمراء سے ایک وفد امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اُن سے اس بات پر بیعت لی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ رمضان کے روزے رکھیں گے اور مجوسیوں کی عید میں شرکت نہیں کریں گے۔

☆......☆......☆

مہلت

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی، یا اُس کا قرض ختم کر دیا۔ اللہ اپنے سائے سے اُس پر سایہ کرے گا!“

(صحیح مسلم)

محمد عمر

انوکھا سفر



دانیال حسن چغتائی

یہ 619 عیسوی کا سال تھا۔ ایک انوکھا سفر ہو رہا تھا۔ سفر کرنے والے صرف دو انسان تھے۔

ان کے پاس سواری نہ تھی۔ پیدل ہی سفر کر رہے تھے اور منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ منزل ان کی بستی سے ساٹھ میل اور پچانوے کلومیٹر دور تھی۔ یہ قافلہ کم و بیش دس دنوں میں منزل پر پہنچ گیا۔

یہ ایک سرسبز وادی تھی۔ چشموں کا ٹھنڈا پانی، درختوں کی لہلہاتی کھیتیاں اور خوب صورت باغات کی وجہ سے یہاں کے لوگ خوش حال تھے۔ مگر مسافروں کو اس وادی میں یہاں کی خوشحالی یا اچھی آب و ہوا نہیں لائی تھی۔

دراصل یہ سفر ایک خاص مقصد کے لیے ہو رہا تھا۔ یہ مقصد تھا لوگوں تک اللہ کی بات پہنچانا اور یہ مسافر کوئی اور نہیں بلکہ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ تھے اور ان کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔

مکہ کے لوگوں کی بے پناہ مخالفت کے بعد اللہ کے رسول نے اس بستی (طائف) میں اللہ کا پیغام پہنچانے کا فیصلہ کیا تھا۔

طائف پہنچ کر آپ ﷺ وہاں کے مشہور قبیلے ثقیف کے تین سردار بھائیوں کے پاس گئے۔ ثقیف کے ان سرداروں کے ساتھ حضور ﷺ کی کچھ واقفیت بھی نکل آئی تھی مگر جب آپ ﷺ نے ان کے سامنے اللہ کی بات پیش کی اور فرمایا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تو ان کا رویہ ایک دم بدل گیا۔ آپ ﷺ ان کے اس بدلے ہوئے رویے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

ان کا بڑا بھائی عبد یالیل بولا: اگر اللہ نے واقعی تمھیں اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو اسے اپنے گھر کعبہ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ ضرور تمہارے ذریعے سے اپنے گھر کی بے عزتی کرانا چاہتا ہے۔

دوسرے بھائی مسعود نے تو حد ہی کر دی، کہنے لگا: اچھا تمہیں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حیرت ہے اللہ کو تم سے بہتر آدمی نہ ملا۔

حبیب نے عجیب احمقانہ بات کی: اللہ کی قسم میں تو تم سے بات ہی نہیں کروں گا۔ اگر تم

واقعی نبی ہو تو تمہاری بات کا جواب دینا بے ادبی ہے اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو تم سے بات ہی نہیں کرنی چاہیے۔

یہ جواب نہیں تھے بلکہ زہر میں بجھے تیر تھے۔جو انہوں نے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے میں پیوست کیے۔

دس دنوں کا پیدل سفر کرنے کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جواب سنا تو ان کے دل پر کیا بیتی ہوگی۔ اس کا تصور ہی کیا جاسکتا ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے حوصلے سے ان کی باتیں سنیں۔ان کی طرف سے اس قدر بدتمیزی کا مظاہرہ ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کوئی شکوہ نہ کیا بلکہ صرف اتنا کہا کہ اگر تمہیں میری بات اچھی نہیں لگی تو ٹھیک ہے لیکن تم کم از کم اتنا تو کر سکتے ہو کہ اپنے خیالات اپنے پاس رکھو، اور میرے خلاف کسی کو بھڑکاؤ نہیں۔

مگر نہ جانے وہ کس قسم کے لوگ تھے انہوں نے اس وقت تو خاموشی اختیار کی۔مگر جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر سے باہر آئے، انہوں نے اپنی بستی سے غنڈوں اور گھٹیا قسم کے لڑکوں کو کہا کہ سارے جہانوں کے لیے رحمت بن کر آنے والے اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر تنگ کریں کہ وہ کسی سے بات ہی نہ کرسکیں۔

پھر ایسا ہی ہوا۔رحمت دو جہاں اور ان کے وفادار ساتھی نے دیکھا کہ لوگ ادھر ادھر سے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الٹے سیدھے مذاق کرنا شروع کر دیئے۔

بازار میں بھی عجیب قسم کا شور مچ گیا۔لوگ گھروں سے باہر آ کر تماشا دیکھنے لگے۔غنڈوں اور اوباشوں نے دیکھا کہ لوگ انہیں روکنے کے بجائے ان کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں تو وہ مذاق اڑانے کے ساتھ ساتھ گالیوں پر اتر آئے۔

وہ اسی بدسلوکی کی پر ہی نہیں رکے۔ان پتھر دلوں بلکہ پتھر سے زیادہ سخت دلوں نے کچھ اور کرنے کی ٹھانی۔وہ اب پتھر مارنے لگے۔پھر اللہ کے عظیم ترین پیغمبر، اعلیٰ ترین انسان کے جسم اقدس کو زخمی کرنے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت زیدؓ اب تیز تیز چلنے لگے۔وہ جلد از جلد ان ظالموں کی بستی سے دور چلے جانا چاہتے تھے مگر پتھروں کی بارش میں اب اور تیزی آ گئی تھی۔وہ ظالم اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹخنوں کا نشانہ لینے لگ گئے تھے۔

آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھک گئے۔سر پر ہاتھوں کی آڑ لے کر بیٹھ گئے۔حضرت زیدؓ دیوانہ وار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر جھک گئے۔ان کا جی یہی چاہتا تھا کہ ظالموں کا کوئی پتھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ لگے۔اس انسان کا خون زمین پر نہ بہے، جو اس زمین پر بسنے والے ہر انسان کے لیے سراپا رحمت ہے مگر اللہ کا قانون بھی عجیب ہے وہ ہر ایک کی

آزمائش کرتا ہے۔ انبیاء کی بھی اور رسولوں کی بھی، بڑوں کی آزمائش بھی بڑی ہوتی ہے۔!

وہ بدلحاظ بدمعاش، جاہل بدبخت آگے بڑھے۔ حضرت زید رضؓ کو پیچھے پکڑ کر دھکیلا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بازو پکڑ کر کھڑا کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چل پڑے، حضرت زید رضؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سہارا دینے کے لیے آگے بڑھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم سے بے تحاشا خون بہہ رہا تھا۔ خون رس رس کر ٹخنوں تک آیا اور اب جوتوں میں جمع ہونے لگا تھا۔ مگر اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قدم آگے بڑھاتے رہے۔ غنڈے ابھی پیچھے تھے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ حضرت زید رضؓ لپک کر آگے بڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کندھوں پر اٹھا لیا۔

طائف کی بستی سے باہر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہوش آ گیا۔ اللہ کے رسول کو لہولہان دیکھ کر حضرت زید رضؓ بے تابی سے بولے:

''آپ ان بدبختوں کے لیے اللہ سے بد دعا کریں۔''

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: نہیں، کیا ہوا جو انھوں نے میرا انکار کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی نسلیں ضرور ایک اللہ پر ایمان لائیں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بستی سے باہر آ گئے تو طائف کے لوگ واپس چلے گئے۔ سامنے ایک باغ نظر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باغ میں داخل ہو گئے۔

یہ باغ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قبیلے کے ایک شخص ربیعہ کے بیٹوں کا تھا۔

باغ میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سکون ملا۔ حضرت زید رضؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جوتے اتارے۔ جوتوں کے تلوؤں میں خون جم چکا تھا۔ حضرت زید نے خون صاف کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد کی۔

اس کام سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے حضور کھڑے ہوئے۔ دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے ایک درخواست نکلی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما رہے تھے:

''اے اللہ! میں اپنی طاقت کی کمی، اپنی بے سروسامانی اور لوگوں کے مقابلے میں اپنی بے بسی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ اس لیے کہ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرتا ہے۔ بے کسوں اور بے سہاروں کا پروردگار تو ہی ہے۔ تو ہی میرا مالک ہے، آخر تو مجھے کس کے حوالے کرنے والا ہے؟ ان بے رحم بے گانوں کے جو بدتہذیب ہیں یا ان دشمنوں کے جو مجھ پر قابو پانے والے ہیں لیکن اگر تم مجھ سے ناراض نہیں اور یہ سب کچھ سزا نہیں تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں تمھاری پناہ میرے لیے سب سے بڑھ کر ہے۔

اے اللہ! میں تو بس اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تمھارے غضب کا شکار ہوں۔ مجھے تو صرف تمھاری رضا چاہیے، اور مجھے یقین ہے تمھارے سوا میری کوئی مدد نہیں کر سکتا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ دعا کر رہے تھے تو باغ کے

مالک عتبہ اور شیبہ آ پہنچے۔ وہ لوگ بھی آپ ﷺ کے مخالفوں میں سے تھے مگر آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر ان کے دل نرم پڑ گئے۔ وہ آپ ﷺ کے پاس تو نہ آئے، البتہ انہوں نے اپنے ایک عیسائی غلام عداس کو پکارا۔ اسے حکم دیا کہ انگوروں کی ایک پلیٹ آپ ﷺ کو دے آئے۔ غلام نے حکم کی تعمیل کی۔

آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر انگور اٹھائے تو عداس حیران ہو کر کہنے لگا:

''اللہ کی قسم، اس طرح کی بات اس شہر کے لوگ تو نہیں کہتے''

آپ ﷺ نے عداس سے پوچھا تم کس شہر کے باسی ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟

عداس نے جواب دیا: ''میں نصرانی (عیسائی) ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔''

اچھا تو تم یونس بن متی جیسے پیغمبر کی بستی کے آدمی ہو۔ عداس نے حیرت سے پوچھا:

''آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یونس بن متی کون ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔

عداس کے لیے یہ باتیں اس لیے یہ حیران کن تھیں کہ حضرت یونس سے صرف نینوا کے لوگ واقف تھے۔ اس لئے وہ آپ ﷺ کے ہاتھ چومنے لگا اور اسے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں۔

دور سے اس کے مالک یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے عداس کو آواز دے کر بلایا اور جھڑکتے ہوئے بولے: احمق! تم یہ کیا حرکت کر رہے تھے تم نے تو اپنا دین ہی خراب کر لیا۔

عداس نے اپنے مالکوں کے غصے کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا:

''میرے آقا! انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جو ایک نبی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔

عداس کا دل بہت چاہتا تھا کہ وہ واپس آپ ﷺ کے پاس جائے لیکن اس کے مالکوں نے اسے کام پر لگا دیا۔

☆......☆......☆

اس واقعے کے صرف چودہ برس بعد رمضان 9 ہجری میں ہی عبد یالیل ایک وفد کے ساتھ مدینہ آیا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جس ہستی کو انہوں نے انتہائی بدتمیزی کے ساتھ اپنی بستی سے نکالا تھا، آج پورا عرب اس کی قیادت کے آگے سر جھکا چکا ہے۔ اب طائف والوں کے لیے بھی سر جھکانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

عبد یالیل اور اس کے بھائیوں کا قبول اسلام آپ ﷺ کی رسالت کی ایک اور سچائی بن چکی تھی!!!

☆......☆......☆



وولگا اور گڈرو

سیدہ ناجیہ شعیب

یہاں سے کوسوں دور سرسبز و درختوں سے بھرے پہاڑوں پر گھنے جنگلات میں ایک بھیڑیا رہا کرتا تھا۔ جس کا نام وولگا تھا۔ انھی پہاڑوں کے بیچوں بیچ نشیب میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ گاؤں میں صرف زمینداروں کے گھر پکے، مضبوط اور خوبصورت بنے ہوئے تھے۔ ان گھروں سے کافی فاصلے پر خستہ حال جھونپڑیاں تھیں۔

یہ جھونپڑیاں ان چرواہوں، گلہ بانوں اور نوکروں کی تھیں جو اپنے مالکوں کے مویشیوں کی دیکھ بھال اور حفاظت اور انہیں چرانے پر مامور تھے۔ جھونپڑیوں سے چند قدم کے فاصلے پر ایک بڑا سا چار دیواری احاطہ تھا۔ جس کے گھیرے میں ڈھیر سارے مویشی بندھے ہوئے تھے۔

زمیندار ان مویشیوں سے خوب فائدہ اٹھاتے۔ اور چرواہوں کو بھی جی بھر کر نوازتے۔ جس سے سبھی کی اچھی گزر بسر ہو رہی تھی۔

چراوہے اور گلہ بان صبح صادق سے لے کر دن ڈھلے تک انہی پہاڑیوں پر اپنے مالکوں کی بھیڑ، بکریوں اور دنبوں کو تازہ ہری بھری گھاس چرایا کرتے تھے۔

وولگا جب بھی ان موٹی تازی بکریوں، بھیڑوں کو دیکھتا تو اس کی رال ٹپکنے لگتی۔ دنبے کا چربی سے بھرا مزیدار گوشت اس کا من بھاتا کھاجا تھا مگر افسوس! اس کے سامنے موجود تو تھا لیکن اس کی دسترس سے باہر تھا۔ کیونکہ ان بھیڑ، بکریوں اور دنبوں کی دیکھ بھال پر مامور چرواہے بڑے چوکس اور مستعد رہتے تھے۔ سونے پہ سہاگا چرواہوں کے ساتھ ساتھ ان گلوں کی نگرانی پر مامور جو کتے تھے وہ بہت وفادار، چوکنا اور



خونخوار تھے کہ بھیڑیے نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کیسے ان تربیت یافتہ لڑاکا کتوں نے لگڑ بھگوں، گیدڑ یہاں تک چیتے تک کو دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

بس یہی وجہ تھی کہ اپنے پسندیدہ کھانے کو اپنی نظروں کے سامنے آزادی اور بے فکری سے گھومتا پھرتا دیکھ کر بھیڑیا بس ٹھنڈی آہیں بھرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مہینے میں ایک آدھ مرتبہ کہیں کوئی دنبہ، بھیڑ یا بکری پہاڑی سے گر کر زخمی ہو جاتی یا موسم خراب ہونے کی وجہ سے گلے سے بچھڑ جاتی تب بھیڑئیے کے بھاگ جاگ جاتے مگر اکثر اس مال مفت کے کئی درندے اور وولگا کے حریف دعوے دار نکل آتے اور یوں کوئی بھی شکم سیر نہ ہو پاتا۔ اب کی مرتبہ بھیڑیے کو بھی ضد ہو چلی تھی کہ وہ سالم دنبہ بلا شرکتِ غیرے اکیلے ہی کھائے گا۔ بھیڑیا کسی قدر لالچی بھی تھا۔ اس پر یہ دھن سوار ہو گئی تھی کہ وہ کون سی ایسی کارآمد ترکیب نکالے کہ اس کو روزانہ ایک دنبہ یا کم از کم بھیڑ ہی کھانے کے لیے مل جائے۔ اس نے سو ترکیبیں لڑائیں۔ سب بے سود ثابت ہوئیں۔

جنگل میں گڈرو نامی ایک گیدڑ بھی رہتا تھا۔ گڈرو بہت چالاک اور مکار تھا۔ اسے پتا نہیں کیوں وولگا سے سخت چڑ تھی۔ گڈرو کو دوسروں کے شکار کیے ہوئے پر منہ مارنے کی عادت تھی۔ وولگا لاکھ برا سہی مگر کسی کا شکار چھینا اسے ہرگز پسند نہیں تھا۔ گڈرو اکثر وولگا کے محنت سے کیے گئے شکار پر اپنا حق جمانے کی کوشش کرتا۔ گڈرو نے تو شیر اور چیتے سے اپنے مطلب کے لیے دوستی کر رکھی تھی۔ خوشامد اور چاپلوسی کر کے وہ شیر کے قریب قریب رہتا۔ شیر شکار کرتا کھا پی کر چھوڑ جاتا اس کا بچا کھچا کھا کر گڈرو مزے سے اکڑتا پھرتا۔

بہت دن سے شکار ہاتھ نہیں لگا تھا۔ پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوا تھا اور اسے کسی دوسرے کا شکار چھیننے کی عادت نہیں تھی۔ وولگا بھوک سے نڈھال پڑا تھا۔ کہ گڈرو وہاں سے گزرا۔ وولگا کو اس حالت میں دیکھ کر دل ہی دل میں مکاری سے مسکرایا۔ اور مصنوعی ہمدردی سے بولا:

”بھائی وولگا! بھئی مان گئے تمھیں۔ تم تو عہد کے پکے ہو۔ مردار کھاتے نہیں، چھین کر کھانا پسند نہیں کرتے۔ ایسے تو بھوکے مرجاؤ گے دوست!“

بے چارے وولگا نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا مگر نقاہت غالب ہونے کی وجہ سے کچھ کہہ نہ سکا بس ہوں ہاں کر کے رہ گیا۔

گڈرو ویسے تو وولگا سے سخت چڑ چڑاتا تھا مگر ایسے حال میں دیکھ کر اب کے اسے واقعی وولگا سے سچی ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔ آخر وہ حیوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ خیر گڈرو اپنی دانست میں خود کو بہت بڑا عقل مند سمجھتا تھا وولگا کو صلح دیتے ہوئے بولا:

”دیکھو وولگا! ویسے تو میں ذاتی طور پر تمھیں

پسند نہیں کرتا مگر تمہاری بھوک سے نڈھال ہوتی بری حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔

اس کے لیے میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے۔کہوتو بتاؤں؟"

بھوک سے وولگا کی انتڑیاں فریاد کر رہی تھیں۔بس اب بہت ہو چلی۔وولگا نے بمشکل ہاں میں سر ہلایا تو گڈ ور بولا:

"یہ ہوئی نا بات۔ پرسوں بقرہ عید ہے۔ وادی والے قربانی کریں گے۔میں قربانی کے پہلے دن بھیڑ کی کھال چرا کر تمہیں لا دوں گا۔وہ تم پہن لینا اور گلے میں شامل ہو جانا۔اس طرح نہ تمہیں چراوہے پہچان پائیں گے نہ کتے۔تم اطمینان سے مست ہو کر شکار کرنا۔"

"شور ہوا تو؟"

"ارے دن بھر کے تھکے ہوئے لوگ شور کی آواز سن کر پریشان نہیں ہوں گے۔

کیونکہ عید کے دنوں میں جانور گھبرائی ہوئی آوازیں تو نکالتے ہیں۔"

"اور خون؟"

"خون،تو وہ خود ذبح کرتے ہوئے بہاتے ہیں۔کسی کو بھی رتی برابر شک نہیں ہوگا۔"

وولگا کو شش و پنج میں مبتلا دیکھ گڈ رو کا تلملا اٹھا تو وولگا ہچکچاتے ہوئے بولا:

"ترکیب تو بہت اچھی ہے۔

مگر،اگر۔۔۔۔"

"کیا؟اگر،مگر،منظور ہے تو بولو!

کل تیاری کروں گا۔ پرسوں شام کو کھال تمہارے پاس ہوگی۔"

وولگا چپ رہا تو گڈ رو طیش میں آ کر کہنے لگا:

"ارے جلدی پھوٹو۔ایک تو میں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر تم جیسے ناپسندیدہ جانور کے ساتھ ہمدردی کر رہا ہوں اور تمہارے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے۔"

وولگا نے جیسے تیسے ہامی بھر ہی لی۔

عید کے پہلے دن گڈ رو نے قربان گاہ کے صحن میں لٹکی بھیڑ کی تازی کھال چرا لی۔وولگا نے فوراً کھال پہن لی۔گڈ رو اسے دریا کنارے لے آیا اور پانی میں ابھرے عکس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا:

"ارے واہ ، واہ تم تو بالکل بھیڑ لگے رہے ہو۔"

وولگا بھیڑیا،بھیڑ کی کھال پہنے پھولے نہ سمایا آخر اس کے دل کی مراد بر آنے والی تھی۔اگلے دن جب صبح بھیڑوں کا گلہ دریا کنارے پانی پینے آیا تو وولگا غیر محسوس انداز میں بھیڑوں میں شامل ہو گیا۔کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

وولگا ،گڈ رو کی شاندار ترکیب پر اَش اَش کر رہا تھا۔عید کا دوسرا دن تھا۔گاؤں میں خوب گہما گہمی کا عالم تھا۔وہ دو دن سے بھوکا تھا سو شدت سے رات ہونے کا انتظار کر رہا تھا مگر آج کا دن ختم

ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وولگا بے چینی سے چکر کاٹ رہا تھا اور اسی کیفیت میں وہ بھیڑوں کے گلے سے باہر نکل آیا۔

اللہ اللہ کر کے دن ڈھلا۔ گاؤں کے لوگ سارا کام اگلے دن پر چھوڑ کر بستروں پر دراز ہو گئے۔

سورج غروب ہوتے ہی فضاء میں چار سو خاموشی چھا گئی۔ ہر طرف اندھیرے کا راج تھا۔ جھینگر کی جھائیں جھائیں ماحول کو پراسرار بنا رہی تھیں۔ دن میں موقع پاتے ہی وہ اپنے تیز دھار دانتوں سے گردن میں بندھی رسی کاٹ چکا تھا۔

کل شام سے جس موٹے تازے دنبے پر اس کی نظر تھی وہ دبے پاؤں کونے میں بندھے اس دنبہ کے قریب چلا آیا۔

خطرے کی بو پاتے ہی دنبہ دبی دبی آواز میں منمنایا۔ وولگا نے لپک کر اس کا نرخرہ جبڑے میں دبوچا اور آن کی آن میں دنبے کی روح اوپر پرواز کر گئی۔ وولگا نے بڑے طریقے سے دنبے کو چیر پھاڑ کر کھانا شروع کر دیا۔ پیٹ بھر گیا تھا۔ نیت نہیں بھری تھی سو اپنے پسندیدہ گوشت پر اکیلے دعوت اڑانے کی دیرینہ خواہش پوری کرنے لگا۔ پاس ہی جانوروں کی کھالیں، سری، پائے، اوجھڑی وغیرہ پڑی تھی اسی لیے وولگا کو پکڑے جانے کا ایک فیصد بھی ڈر نہیں تھا۔

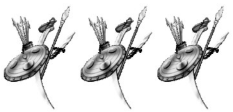
وولگا سونے سے پہلے بالٹی میں منہ ڈال کر اچھی کلی کر کے منہ دھونا نہیں بھولا تھا۔ جانور رات بھر ڈری سہمی آوازیں نکالتے رہے۔ مگر کسی کے کانوں میں جوں جوں تک نہ رینگی۔ اس رات دو دنبوں اور ایک بکری کا شکار کرنے کے بعد وولگا قربانی والے حصے میں ہی بے سدھ سو گیا۔

فجر کی اذان کے ادا کرنے کے بعد گاؤں کے ماہر قصائیوں نے چھریاں تیز کرنا شروع کر دی تھیں۔ آج بقرہ عید کا تیسرا اور آخری دن تھا۔ بڑے مالک چوہدری شاداب نے پورے گاؤں والوں سمیت گاؤں کے آس پاس کی بستیوں کے سبھی لوگوں کو دعوت پر بلایا تھا۔ دھڑا دھڑ جانور ذبح ہو رہے تھے۔ جانور ٹھنڈا ہوتے ہی تیزی سے کھالیں اتاری جا رہی تھیں، ایک طرف باہر بڑی مہارت سے گوشت بنایا جا رہا تھا۔ دیگیں چڑھنے کی تیاری ہو رہی تھی۔

موٹی تازی بھیڑ دیکھ کر قصائیوں نے کس کے پکڑا تو بھیڑ نے مزاحمت کی۔ قصائی نے فوراً گردن پر چھری پھیر دی۔ مگر یہ کیا؟ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا نکلا تھا۔

سمجھ تو گئے ہوں گے؟ کہ تم جب کسی غیر کی تشبیہ اختیار کرو گے تو سراسر نقصان اٹھاؤ گے۔

☆......☆......☆





ڈاکٹر نے مجھے بلڈ ٹیسٹ کی رپورٹس بتائیں تو مجھے دھچکا لگا۔

جس کا خدشہ تھا وہی ہوا۔ مجھے لاسٹ سٹیج کا کینسر تھا۔ گھر آتے آتے میں سوچتا رہا۔ بیوی کو کیسے بتاؤں گا۔ بچوں کو کیا کہوں گا۔ گھر پہنچ کر میں نے سیف میں سب رپورٹس چھپا دیں۔ بیوی پوچھتی رہی میں نے کچھ بتا کر نہ دیا۔ سب نارمل ہے کہہ کر ٹال دیا۔

رات کھانے کے بعد واک کرنے نکلا تو دل بند سا ہونے لگا۔

کس کا دل کرتا ہو گا یہ چمکتی دمکتی روشنیاں یہ چہل پہل یہ ہنسی قہقہے چھوڑ کر جانے کا۔ پیاری بیوی پیارے پیارے بچے چھوڑ کر کیسے جاؤں گا۔ ایک لمبی پتلی سی اندھیری قبر میں کیسے رہوں گا۔

میں چلتا رہا اور سوچتا رہا حتی کہ قبرستان آ گیا۔ قبروں کے کتبے جیسے مجھے بلانے لگے۔ میں بیچ کے اونچے نیچے راستے پر چلنے لگا۔ قبریں خاموش تھیں لیکن کیا ان کے اندر واقعی خاموشی تھی؟

ایسا سناٹا پہلے دیکھا ہوتا تو خوف سے میری جان نکل جاتی۔ لیکن آج دل بے خوف سا تھا بلکہ ان چپ چاپ پڑے مکینوں سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

کچھ چھوٹی کچھ بڑی قبریں۔

کچھ پر مردوں کے نام کچھ پر عورتوں کے۔

غلام مصطفی بن غلام محمد۔ مرحوم جاوید اسلم۔ چودھری مختار خان۔ آنسہ الفت بتول۔ خورشید انور۔ بیگم رضیہ سلطانہ۔ ماریہ احمد بنت محمد وارث۔

میں نام پڑھتا آگے بڑھ رہا تھا۔

کچھ کتبوں پر آیات درج تھیں۔

ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر اداسی بھرے شعر۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

”سر! رات کافی ہوگئی ہے۔ گھر چلنا چاہیے میرے خیال میں۔“ یہ میرے ڈرائیور کی آواز تھی۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میری چم چم کرتی کار

چاندنی میں نہائی ہوئی تھی۔

”ہونہہ! کیافائدہ اب اس کارکا۔

سب کچھ تو میرے بیوی بچے لے جائیں گے۔میرے ہاتھ کیا آیا۔“

میں بڑی خودغرضی سے سوچتا گیا۔

”ساری زندگی کماتے کماتے ہی گزر گئی۔ اب یہ گھربنالوں اب پراپرٹی خریدلوں۔

اب بچوں کے لیے نقدی زیورا کھٹا کرلوں۔ اب بیوی کا بینک بیلنس بھرنا ہے۔بس یہی میری ترجیحات تھیں۔

گھر گاڑی موبائل سب کچھ تھا میرے پاس۔بس سکون نہیں تھا۔اس سکون کی خاطر میں بیوی سے چھپ کرگندی ویڈیوز دیکھتا۔

دنیا کے سامنے میں نیک طینت اور سلیم الطبع تھا۔ہلکی سی ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔نماز روزہ بھی قضانہ کرتا۔لیکن میں اندر سے بے حد بدنیت اور بدبودارشخص تھا۔جب بھی میں اکیلا ہوتافحش موویز دیکھنے لگتا۔یہ لت مجھے نوعمری سے پڑگئی تھی۔

باجودکوشش کے میں عادت نہ چھوڑ سکا تھا۔شاید یہی وہ چیزتھی جس نے میری زندگی سے سکون کی چادریکسر کھینچ لی تھی۔“

”آہ“اچانک میرے پاؤں کے نیچے ایک نوکدار پتھر آیا تو میں لڑکھڑا گیا۔یکدم میری ساری سوچیں غائب ہوگئیں۔

پتہ نہیں کتنی دیر میں یونہی کھڑا قبروں کو دیکھتا رہا۔پھر اچانک میرا دل کیا کہ کاش کوئی قبر والا مردہ زندہ ہوجائے اور مجھے بتائے کہ اس کے ساتھ اصل میں کیا ہوا؟ جب وہ قبر میں جا کرلیٹ گیا اور اس کے سب رشتہ دار قبرستان کی وحشت سے بے زار تیز تیز قدموں سے واپس چلے گئے تو اس پر کیا بیتی؟

لیکن میں کسی سے کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا۔ یہاں سب خاموش تھے۔چپ چاپ اپنی اپنی جزا سزامیں مگن۔

اچانک میری نظر ایک کچی جھونپڑی پر پڑی۔دیے کی روشنی پردے کے پیوند سے باہر جھانک رہی تھی۔یہ یقیناگورکن کامسکن تھا۔

”باباجی! نہ جانے آپ نے کتنی قبریں کھودیں۔کتنوں کے اخروی انجام آپ کومعلوم ہوں گے۔بس مجھے کوئی نصیحت کر دیں۔“ میں نے چمکتی پیشانی والے باباجی سے کہا۔میرے لہجے میں کینسرزدہ انسان کی بے بسی تھی۔

”پتر! سچے رب کی سچی اطاعت ہی کام آتی ہے اور کچھ یہاں کام نہیں آتا۔بس تو اکیلے میں رب کی اطاعت کرنا سیکھ لے۔

جب تو اکیلی قبر میں لیٹے گا تو وہ رب تیرا ساتھی بن جائے گا۔“باباجی نے کہااور دیا تیز کر دیا۔ اپنے طاق کا بھی اورشاید میری امید کا بھی۔

”سر! آپ یہاں ہیں۔

میں پریشان ہوگیا تھا۔“

میرا ڈرائیور مجھے ڈھونڈتے باباجی کی کٹیا تک آ گیا تو میں نے باباجی کو سلام کیا اور الٹے قدموں واپس چلا آیا۔ جب میں گاڑی میں بیٹھنے لگا تو میں نے ایک نظر پورے قبرستان پر ڈالی۔

کچھ قبروں کے مکین مسکرا مسکرا کر باباجی کے لفظوں کی تائید کر رہے تھے۔ وہ خوش تھے اور چہچہا رہے تھے۔ باقی قبروں کے مکین حسرت و یاس کی تصویر تھے۔ وہ اپنے کفن نوچ نوچ کر چلا رہے تھے کہ ان کا کوئی ساتھی کوئی مددگار نہیں تھا۔

☆......☆......☆

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

''میں اپنی اُمت میں سے یقینی طور پر ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت والے دِن اِس حال میں آئیں گے کہ اُن کے ساتھ تہامہ پہاڑ کے برابر نیکیاں ہوں گی، تو اللہ عزّ وجلّ ان نیکیوں کو (ہوا میں منتشر ہو جانے والا) غُبار بنا (کر غارت) کر دے گا۔''

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول، ہمیں اُن لوگوں کی نشانیاں بتائیے، ہمارے لیے اُن لوگوں کا حال بیان فرمائیے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہمیں انہیں جان نہ سکیں اور ان کے ساتھ ہو جائیں''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

''وہ لوگ تُم لوگوں کے (دینی) بھائی ہوں گے اور تُم لوگوں کی جِلد (ظاہری پہچان اِسلام) میں سے ہوں گے، اور رات کی عبادات میں سے اُسی طرح (حصہ) لیں گے جس طرح تم لوگ لیتے ہو (یعنی تُم لوگوں کی ہی طرح قیام اللیل کیا کریں گے) لیکن اُن کا معاملہ یہ ہو گا کہ جب وہ لوگ اللہ جلّ جلالہٗ کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں کو تنہائی میں پائیں گے تو اُنہیں اِستعمال کریں گے۔''

(سُنن ابن ماجہ/ حدیث/ 4386 کتاب الزُھد/ باب 29)

☆......☆......☆

کوپن برائے

''وہ کون تھا؟''

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

کون سے کھیل

بنت سید اعجاز شاہ ہاشمی



''اف امی! مجھے بہت درد ہو رہا ہے'' عفرہ نے روتے ہوئے کہا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹا! اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے''

عفرہ کی امی نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

عفرہ اپنے والد کی اکلوتی بیٹی تھی۔ عفرہ کو پچھلے دو ماہ سے سر اور پورے جسم کا درد تھا۔ اب تو عفرہ کا درد گلے کی ہڈی بن چکا تھا۔ دن رات جسم کا درد۔

عفرہ کو بہت سے ڈاکٹروں کو دکھایا گیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ سب اس کے درد سے پریشان تھے۔

☆......☆......☆

''عفرہ بیٹا! اٹھو نماز کا وقت جا رہا ہے'' امی نے عفرا کو اٹھانے کی کوشش کی۔

''کیا ہے امی! ابھی تو ٹیبلٹ کھا کر سوئی تھی۔

رات تین بجے سر میں شدید درد تھا''

''ارے بیگم! سونے دیں! گڑیا کو کیوں پریشان کرتی ہیں؟ نماز تو کبھی بعد میں پڑھ لے گی'' اخبار پڑھتے ہوئے عامر صاحب نے کہا اور عفرہ نماز جیسے عظیم فریضے کو چھوڑ گئی۔

''عفرہ آپ کی پھوپھو آ رہی ہے یہاں پر چھٹیاں منانے'' ابو نے عفرہ کو خبر دی تو عفرہ بہت خوش ہوئی۔

پھر اقصیٰ کی فیملی ان کے گھر آ گئی۔ صبح امی نماز پڑھ کر ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گئی۔

علی بھی ماموں کے ساتھ مسجد چلا گیا۔

عفرہ لیٹی رہی۔

دس بجے اٹھی تو موبائل اٹھا لیا۔

''امی! میرا ناشتہ کمرے میں لائیں!'' اس نے آواز دی۔

اقصیٰ یہ دیکھ کر بہت حیران تھی۔

عفرہ نے ناشتہ کرتے ہوئے بھی موبائل کو ہاتھ میں لیا۔ سارے کام امی پھوپھو اور اقصیٰ نے کیے۔

''بھابھی! یہ آج کل عفرہ کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ اتنی کمزور ہو گئی ہے، چہرہ بھی ہلدی کی طرح ہو گیا اور دوسری بات آپ کو اگر برا نہ لگے تو وہ یہ کہ اسے موبائل اور سونے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے؟''

''کیا بتاؤں زبیدہ! عفرہ کے بارے میں ہم بہت پریشان ہیں۔ اسے تو سر کا درد جسم کا درد نہیں چھوٹ رہا۔علاج کروا کروا کر تھک گئے ہیں۔''

''کیا یہ صحت کا خیال رکھتی ہے؟''

''ہاں ہم رکھتے ہیں اس کی صحت کا خیال۔ اسے روزانہ دودھ پلاتے ہیں۔اس کے بابا اس کے لیے فروٹس لاتے ہیں۔ یہ اپنی صحت کا خیال بہت کرتی ہے، لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا۔''

''خالہ جان! صحت اس کو تو نہیں کہتے۔''

''کیا مطلب اقصیٰ بیٹا!؟'' عفرہ کی ماں نے حیرت انگیزی سے پوچھا۔

''جی ممانی! صحت صرف دودھ، فروٹس گوشت وغیرہ کے کھانے سے نہیں آتی بلکہ صحت تو یہ ہوتی ہے کہ روزانہ پانچ وقت کی نماز پڑھنا، قرآن مجید کی تلاوت، ورزش کرنا وقت پر سونا، وقت پر اٹھنا، موبائل کم چلانا، گھر کے کام کرنا، اگر عفرہ یہ کام کرے پھر اس کے جسم کے کسی حصہ میں درد ہو؟'' اقصیٰ نے بات ختم کی تو امی نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

''بیٹا! ہم عفرہ کو ان کاموں کی عادت کیسے کروائیں گے؟''

''خالہ! ہم سب مل کر کام کریں گے''

☆......☆......☆

''میرا موبائل کہاں ہے؟''

اگلے دن عفرا نے کہا۔

''مجھے تو نہیں معلوم'' امی نے کہا تو عفرہ رو دینے کو تھی۔

''ارے عفرہ! اگر آپ کو موبائل نہیں مل رہا تو چلو کوئی کھیل کھیلتے ہیں''

چار و ناچار اسے کھیلنا ہی پڑا۔

شروع میں اسے کوئی مزہ نہیں آرہا تھا لیکن بعد میں اسے اتنا مزہ آیا۔

''ارے اقصیٰ یہ تو پپ جی اور فری فائر سے بھی زیادہ مزے دار ہیں۔

آج تو مجھے سر دار اور جسم درد کا پتہ ہی نہ چلا'' عفرا نے جمپ لگاتے ہوئے کہا۔

''عفرہ! یہ جو آپ فضول کی گیمز کھیلتی ہیں۔ان میں نہ تو فائدہ بلکہ نقصان ہوتا ہے''

''نقصان کیسا؟''

عفرہ اب اقصیٰ کے قریب آگئی۔

''وہ ایسا میری پیاری کزن! کہ انسان کا وقت برباد ہوتا ہے، کافر ہمارا دشمن ہے یہ تو آپ کو پتا ہوگا۔

کافروں نے فضول کی گیمز نکال کر انسان (مسلمان) کو تباہ کر دیا ہے'' اقصیٰ نے کہا تو عفرہ سمجھ گئی۔

اب وہ اقصیٰ کے ساتھ وقت پر نماز پڑھتی، کھیلتی تھی۔اب عفرہ راہ ہدایت پر آچکی تھی۔

☆......☆......☆

بقرہ عید سے تین دن پہلے گھر میں بکرا کیا آیا ہر طرف ہلچل ہی مچ گئی۔ جب دیکھو بکرے میاں کی خدمتیں ہو رہی ہیں۔

بھیا تازہ چارہ لاکر کھلا رہے ہیں۔

ابا جان نہلا دھلا کر صاف ستھرا کر رہے ہیں۔

دادا ابا خاکروب کو صفائی کی ہدایات دے رہے ہیں۔

دادی اماں بکرے کو پھلوں کے چھلکے کھلانے پر بضد ہیں۔

آپا بکرے میاں کی چارے کی ٹوکری اچھی طرح صاف کر رہی ہیں۔

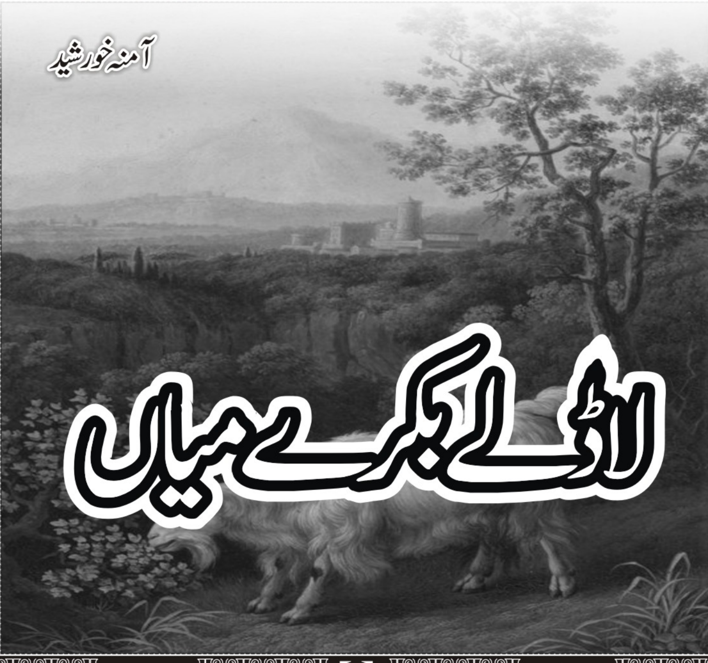
ماما جان بکرے کو پہنانے کے لیے ہار بنا رہی ہیں۔

رہی ہماری امینہ! تو ان کا صرف ایک ہی ارمان ہے۔ وہ یہ کہ کسی طرح بکرے کے پاس پہنچ جائیں اور اس کی کمر پر اپنا ننھا سا ہاتھ پھیریں۔

بڑے بڑے سینگوں والا بکرا ہر وقت ادھر ادھر ٹکریں مار رہا ہے۔ لیکن ہم آپ کو بتائیں! ہماری امینہ بہت بہادر ہیں۔

ابھی بکرے کو آئے ایک دن پورا نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے بکرے میاں سے دوستی کر لی۔

غصیلے بکرے میاں کو بھی امینہ پر بالکل غصہ



لاڑلے بکرے میاں

آمنہ خورشید

نہیں آتا بلکہ وہ اب اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ کب ان کی ننھی منی سی دوست آئے گی اور ان کو اپنے ہاتھ سے کیلے کے چھلکے کھلائے گی۔

اب روز صبح اٹھ کر ننھی امینہ آنکھیں ملتی ہوئی بکرے کے پاس پہنچ جاتی ہیں۔

یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں بکرے میاں کو ذبح تو نہیں کرلیا گیا۔ان کا پورا زور اسی بات پر ہے کہ بکرے میاں ہمارے دوست ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔اس کو ذبح بالکل نہ کیا جائے۔

☆......☆......☆

آخر کار عید کا دن بھی آپہنچا۔ابا میاں عید کی نماز پڑھ کر آئے تو قصائی کو بھی ساتھ لیتے آئے۔

ابھی چھریاں تیز کی جارہی تھیں کہ امینہ صحن میں آنکلیں۔ننھی ننھی سرخ چوڑیاں اور سرخ فراک پہنے امینہ نانو کے گھر جانے کے لیے بہت خوش تھیں۔لیکن یہ کیا! ان کا گہرا دوست ان سے دور ہونے جارہا تھا۔

جیسے ہی ان کی نظر لمبی لمبی چھریوں پر پڑی انہوں نے گلا پھاڑ کر رونا شروع کر دیا۔

''آں ں ں ! میرا بکرا! میرا بکرا!'' ابا جان نے انہیں پیار کیا اور بھیا انہیں اٹھا کر ماما جان کے پاس چھوڑ آئے۔

امینہ کی سسکیاں ماما جان کی گود میں جا کر بھی نہیں رکیں۔آخر کار دادی جان کو پتہ لگا تو انہوں نے امینہ کو بہت پیار سے سمجھایا۔

''میری پیاری امینہ بٹیا!

یہ بڑی عید یعنی عید الاضحیٰ ہے۔اس عید پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔

ہم ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ یہ اللہ میاں کا حکم ہے۔ ہزاروں سال پہلے اللہ میاں کے ایک پیارے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی دن ایک جانور ذبح کیا تھا۔''

دادی جان کہہ رہی تھیں۔

''لیکن دادو! مجھے بکرا اچھا لگتا تھا!'' یہ کہتے ہوئے امینہ روہانسی ہوگئیں۔

''تو ہم آپ کو عید کے بعد ایک چھوٹا سا، بکری کا بچہ لا دیں گے۔آپ اس کے ساتھ خوب کھیلنا۔'' دادو جان نے مسکراتے ہوئے کہا اور امینہ کو گود سے اتار دیا۔

''میری پیارا امینہ! اب آپ جا کر دستر خوان پر بیٹھیں۔میں آپ کے لیے سویاں لاتی ہوں۔''

''لیکن دادو جان! ہم بکرے کے بچے کا نام کیا رکھیں گے؟''

''ہم م م! مینو! ٹھیک ہے؟''

''بالکل ٹھیک!''

ننھی امینہ نے نعرہ لگایا۔

اور باہر بھاگ گئیں۔

☆......☆......☆



نہیں ہے یہ تو چھوٹا بیل
دیکھو کتنا موٹا بیل

کتنا چھیل چھبیلا یہ
لگتا ہے چمکیلا یہ
نہ ہے کالا کلوٹا بیل
دیکھو کتنا موٹا بیل

گلے میں ڈالے ڈھیروں ہار
کمر پہ رنگیں کپڑے چار
سینگ پہ رکھے گوٹا بیل
دیکھو کتنا موٹا بیل

بیٹھے نیند کے مارے جو
ڈر جائیں ہم سارے تو
کھولے جونہی پپوٹا بیل
دیکھو کتنا موٹا بیل

ویسے ہے چپ چاپ کھڑا
غصے کا ہے تیز بڑا
آفت کا ہے ٹوٹا بیل
دیکھو کتنا موٹا بیل

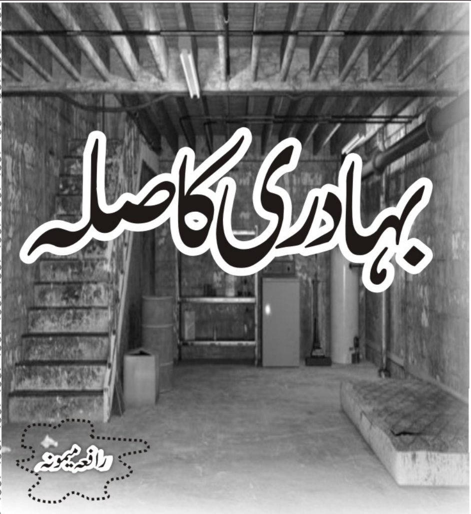
موں موں موں موں کہتا جائے
یاد سبق یہ کرتا جائے
یہی لگائے گھوٹا بیل
دیکھو کتنا موٹا بیل

مستی میں یہ آ جائے
سر سب کا یہ کھا جائے
نہ کھائے پر سوٹا بیل
دیکھو کتنا موٹا بیل

نہیں ہے یہ تو چھوٹا بیل
دیکھو کتنا موٹا بیل

بہادری کا صلہ

رافعہ میمونہ



عاصم انٹر کا طالب علم تھا۔اس کے ابو کریانہ کی دکان چلاتے تھے۔ایک دن اچانک اس کے ابو کی طبیعت خراب ہوگئی۔

ان کو دل کا دورہ پڑا۔ان کی حالت بہت نازک تھی۔ڈاکٹر نے بائی پاس بتایا۔آپریشن کے لیے پیسے نہیں تھے تو دکان بیچنی پڑی۔آپریشن کامیاب ہوگیا تھا۔اللہ نے کرم بھی کیا زندگی بچ گئی۔

عاصم دو بہن بھائی تھے۔

عاصم انٹر کا طالب علم تھا جبکہ مدیحہ پنجم کی سٹوڈنٹ تھی۔وہ ہوسپٹل سے ڈسچارج ہوکر گھر واپس آگئے تھے۔گھر کے حالات بہت خراب تھے۔کھانے پینے کو کچھ نہ تھا، بادل نخواستہ اس کو اپنی پڑھائی کو خیر آباد کہنا پڑا۔وہ کالج کے بجائے روز صبح اُٹھ کر روزگار کی تلاش میں جاتا۔روزانہ منہ لٹکائے واپس آجاتا۔

ایک دن وہ واپس گھر آرہا تھا وہ اپنے ہی خیالات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا کہ ایک سفید رنگ کی جیپ اسکے پاس آکر رکی۔

”اوئے!“ ایک آدمی نے آواز دے کر بلایا۔عاصم نے مڑ کر دیکھا۔

”رکو! میری بات سنو!“ وہ جیپ سے کچھ فاصلے پر تھا۔وہ جیپ کی طرف بڑھا۔سفید سوٹ بوٹ میں چشمہ لگائے وہ آدمی کوئی سیٹھ لگ رہا تھا۔اس نے اپنا ہاتھ باہر نکالا۔

”کیسے ہو برخوردار! روزگار کی تلاش میں ہو؟ پریشان لگتے ہو؟“

عاصم اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔

”ارے کچھ تو بولو! میرے پاس تمہارے لیے جاب ہے۔کرو گے؟“

”کیا جاب ہے؟“ عاصم نے سوال کیا۔

”پڑھے لکھے ہو؟“ سیٹھ نما آدمی نے پوچھا۔

”انٹر کا طالب علم ہوں مگر فی الحال جاب کی اشد ضرورت ہے۔“

”بہت ایزی ہے جاب۔گھر کی صفائی وغیرہ کرلو گے؟ اتنا کیا سوچنا یہ میرا کارڈ ہے۔جب آنا ہو آجانا۔“

عاصم نے کارڈ ہاتھ میں لیا۔ جیپ آگے بڑھ چکی تھی۔ عاصم گھر کی طرف بڑھ گیا۔

''آ گئے ہو عاصم بیٹا! کام ملا؟'' امی جان نے عاصم کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

''ایک طرف سے کچھ امید تو ہے۔ وہ یہ کہہ کر سیدھا کمرے میں چلا گیا۔''

''یہ لیں بھائی پانی!'' مدیحہ بولی۔

''مدیحہ! آپ اسکول نہیں گئی؟''

''وہ بھائی! فیس جمع نہیں کروائی ٹیچر بار بار فیس کا کہہ رہی ہیں جب انہیں جمع کرواؤں گی تب ہی جاؤنگی''

''مدیحہ! دعا کرو! میری نوکری لگ جائے۔ پہلے تمہاری فیس جمع کرواؤں گا''

''بھائی وہ تو آپ کو ایک مہینے بعد ملے گی۔''

''یہ تو ہے۔ سنو! میں ایڈوانس میں لے لوں گا۔ تم فکر نہ کرو!''

آج سارا دن عاصم اس بارے میں سوچتا رہا، آخر اس نے فیصلہ کر لیا۔ اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے کارڈ جیب سے نکالا، نمبر ڈائل کیا۔ دوسری بیل پر ہی اٹھا لیا گیا۔ دوسری طرف کی بات سن کر وہ خوش ہو گیا اور ابا جان کے کمرے میں گیا۔

''ابا جان! میری نوکری لگ گئی ہے۔ صبح سے جاؤں گا۔ صبح سات سے شام سات بجے تک''

''بیٹا! میری وجہ سے تمھیں سب کچھ چھوڑنا پڑا تمہارا خواب ادھورا رہ گیا'' ابا جان افسوس کرتے ہوئے بولے۔

''فکر مت کریں۔ میری بات ہو گئی ہے۔ بیس ہزار سیلری ہو گی۔''

''نہ ہونے سے یہ بہت زیادہ ہے۔ کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔''

''ابا جان بس آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔''

☆......☆......☆

سیٹھ حاذق کا محل نما گھر تھا۔ مگر حیرت کی بات تھی اس کی فیملی نہیں تھی۔ وہ بالکل اکیلا تھا نہیں بس ملازمین کی ایک فوج رکھی تھی۔ وہ بہت سخت مزاج تھا۔ وہ اپنے مزاج کی وجہ سے اپنے علاقے میں مشہور تھا۔

کسی سے کوئی میل جول نہ تھا۔ وہ زیادہ تر گھر سے غائب رہتا، کبھی ہفتے میں تین دن کبھی پورا ہفتہ ہی غائب ہوتا۔ اس نے ملازمین کو یہ بتایا ہوا تھا کہ وہ کاروبار کے سلسلے میں گھر سے باہر ہوتا ہے۔

عاصم سیٹھ حاذق کے کمرے کو اچھے سے چمکا رہا تھا کیونکہ سیٹھ حاذق اپنے گھر آ رہا تھا۔ عاصم کو یہاں کام کرتے بیس دن ہی ہوئے تھے وہ اپنا کام نہایت ایمانداری سے کر رہا تھا۔

عاصم کو دو تین دن پہلے ہی معلوم ہوا کہ سیٹھ حاذق کے کمرے میں چٹائی کے نیچے تہہ خانہ موجود ہے۔ گھر آ کر زیادہ تر وہ اس تہہ خانہ کے بارے میں سوچتا رہتا۔

سیٹھ حاذق کے کمرے کا دروازہ لاک رہتا تھا۔ اس کی چھٹی حس اسے خطرے کا الارم دے رہی تھی۔ کچھ تو گڑ بڑ ہے، کام کرتے اس کا دھیان وہاں چلا گیا۔ اس نے سر جھٹک دیا اور سارا فوکس کام پر کیا۔

وہ نوکری کے لیے بھی مجبور تھا۔ وہ چھوڑنے کا سوچتا تو اس کے سامنے مدیحہ اور امی ابو کا چہرہ آجاتا۔ اب بھی وہ صفائی کر رہا تھا، اچانک اس کی نظر ایک طرف رکھے چابیوں کے گچھے کی طرف گئی۔ وہ بے خیالی میں اس گچھے کی طرف بڑھا اور کچھ سوچتے ہوئے اپنے دائیں بائیں دیکھا اور گچھا اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ اس طرف کا کام ختم کرنے کے بعد وہ اس بڑے کمرے کی طرف بڑھا۔ ایک مرتبہ پھر اپنے دائیں بائیں مڑ کر دیکھا۔ پاکٹ سے چابیوں کا گچھا نکالا اور کانپتے ہاتھوں سے چابی تالہ کے اندر گھومانے لگا۔ تیسری مرتبہ میں کلک کی آواز آئی اور تالہ کھل گیا۔

اس نے مڑ کر دیکھا اور قدم اندر کی طرف بڑھا دیے۔ میز کے پاس سے ریڈ قالین ہٹائی۔ تہہ خانے کا ڈھکن نظر آیا۔ اسے سکنے کی آواز آئی۔ وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر تہہ خانہ کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگا، اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا جیسے ہی آخری سیڑھی پر پہنچا۔ ہال میں بلب جلنے اور بجھنے لگا۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور تیزی سے سیڑھی سے نیچے اترا۔

''کیوں آئے ہو یہاں واپس جاؤ!'' اسے ایک تیز آواز سنائی دی۔

''تم بھی ہماری طرح پھنس جاؤ گے۔''

اس نے پیچھے کھڑکی کی طرف ایک لڑکے کو خستہ حالت میں دیکھا وہ دوڑ کر اسکے پاس گیا۔

''کیا ہوا تمھیں تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

اس نے سامنے ہال کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ ہال مجھ جیسے بچوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں ہمارے ساتھ بہت غلط کام ہوتا ہے۔''

''کیا غلط کام ہوتا ہے؟'' کڑک کی آواز آئی۔

اس لڑکے نے اشارے سے ہونٹ پر انگلی رکھی، خاموش، وہ اسے گھسیٹتے ہوئے دوسری طرف لے گیا۔

''یہاں کیوں آئے ہو۔ اب تمہاری خیر نہیں۔ شاید کہ سیٹھ آگیا ہے۔ کمرے کو کھلا دیکھے گا تو ضرور اسے گڑ بڑ کا احساس ہوگا۔''

''وہ یہاں آئے گا اور ہمارے ساتھ تم بھی۔

وہ یہاں ہمارے جیسے بچے لا کر ان کے گردے نکال کر بیچتے ہیں۔ جو زیادہ اچھے ہوتے ہیں انہیں منہ مانگے داموں میں بیچ دیتے ہیں۔ بہت ظالم ہیں یہ لوگ ذرا رحم نہیں آتا اس سیٹھ کے دل میں۔''

''اوہ! تب ہی مجھے جاب دی ہے۔ میں تو بہت اچھا سمجھتا ہوں اس سیٹھ کو۔''

وہ ہال کی طرف گئے۔ کتنے ہی لڑکے بے سدھ پڑے تھے۔

ساتھ ہی دو آدمیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ دونوں دیوار کی اوڑھ میں ہو گئے۔

''آج رات کچھ لڑکوں کو لے جانے کا پلان ہے۔ نہ جانے وہ کہاں گیا؟''

''ڈھونڈو اسے! بہت موٹی آسامی ہے۔ بہت اچھے داموں بکے گا۔ آج کی کھیپ ہے اس میں اسکو بھی لے کر جانا ہے۔

جال میں نے اسی لیے بچھایا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ یہاں آئے گا اور جیسے ہی آئے گا، پھنس جائے گا، ہا، ہا، ہا'' سیٹھ حاذق نے بلند قہقہہ لگایا۔

عاصم کے ساتھ کھڑا لڑکا کانپ گیا۔

''یار! بہت غلطی کی، ہم لوگ بھی ایسے ہی آئے ہیں کچھ کو یہ خود پکڑ کر لائے ہیں''

عاصم نے اس لڑکے کے کان میں کچھ کہا۔ وہ حیران ہو کر اسے تکنے لگا۔

''کیسے؟'' وہ دھیمے لہجہ میں بولا۔

''دیکھتے جاؤ کیا ہونے والا ہے؟ میں نے سارا بندوبست کیا ہوا ہے۔''

اس نے اپنے پاکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ اس میں ریکارڈر موجود ہے۔ اب باری تھی اس لڑکے کی آنکھیں پھیلانے کی۔

''پولیس ٹریس کر رہی ہے۔ بے فکر رہو بس پہنچ رہی ہے''

ساتھ ہی عاصم کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کسی نے پیچھے سے کھینچا۔ اس نے گھبرا کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اور ہکا بکا رہ گیا۔

''برخوردار! اپنی جگہ پہنچ گئے۔ ویلڈن، ویلڈن!'' تالی بجاتے ہوئے کہا۔

''بہت خوب۔ عالیان! تم اس کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟'' اس کو ایک زوردار دھکا دیا وہ منہ کے بل گرا۔

''کیا کر رہے ہیں آپ؟ اف خدایا آپ تو شرافت کی آڑ میں آستین کا سانپ....''

''جو کہنا ہے کہہ لو! بہت بہادر دکھتے ہو تمہارے چہرے سے پریشانی عیاں نہیں ہے۔''

ساتھ ہی موبائل میں پولیس کی آواز سنائی دی۔ اوپر بھاگ دوڑ مچ گئی تھی۔ کوئی تیزی سے تہہ خانہ کی طرف آیا۔

''سیٹھ صاحب! پپ پپ پولیس!''

''الو کے پٹھے! پولیس کیسے پہنچی یہاں؟''

ساتھ ہی پولیس کی بھاری نفری تہہ خانہ میں اتری۔ سیٹھ سیڑھیوں کی طرف ہکا بکا دیکھتا رہ گیا، اس کا رنگ فق ہو گیا۔ یہ کیسے ممکن ہوا؟

سب انسپکٹر آگے بڑھا۔

''سیٹھ بہت ہو گئے تمہارے ظلم! اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے''

سیٹھ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جیب سے پستل نکالی اور عاصم کے طرف اس کا رخ کیا۔

''ادھر ہی رک جاؤ! ورنہ۔۔۔'' یہ کہتے ہی ہوائی فائر کیا۔ پسٹل عاصم کی کن پٹی پر رکھ دیا۔

''میری طرف بڑھے تو گولی چلا دوں گا۔''

''نیچے کرو پسٹل! اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟'' سب انسپکٹر دھاڑا۔

''ارے میں کیا کر سکتا ہوں تم سوچ نہیں سکتے'' سیٹھ حاذق دھاڑا اور عاصم کی کن پٹی سے پسٹل لگائے چلنے لگا۔ کچھ پولیس والے سامنے ہال کی طرف بڑھ گئے۔ بچوں کی حالت ابتر تھی۔ ایمبولینس منگوائی گئی، سب بچوں کو ہاسپٹل شفٹ کیا گیا۔ سب انسپکٹر نے باتوں میں الجھا کر سیٹھ حاذق کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

ایک طرف کچھ بچے تھے جنہیں تیار رکھا گیا تھا۔ آج ان کی ایک کھیپ بیرون ملک بھجوائی جا رہی تھی۔

سیٹھ حاذق سمیت سب مجرم پولیس کی گرفت میں آ گئے۔ سب پکڑے گئے تھے۔

سیٹھ حاذق کے دوسرے اڈے پر بھی چھاپہ مارا گیا. بہت سا مال اور بچوں کو بازیاب کروایا گیا۔

یہ سب عاصم کی عقلمندی سے ہوا۔ عاصم کو چند ہی دنوں میں شک ہو گیا تھا۔

وہ اس سے پہلے بھی یہاں آ چکا تھا، سب کچھ دیکھ کر اس نے عالیان کو یقین دلایا کہ وہ ان کی مدد ضرور کرے گا اور اللہ کی مدد سے بغیر کسی مشکل سے وہ واپس لوٹ گیا۔

سب انسپکٹر دلاور نے عاصم کے ساتھ مل کر پلان بنایا تھا۔ انہوں نے پورے تعاون کی امید دلائی تھی کہ وہ مدد کریں گے اور اس طرح وہ یہاں تک پہنچے، سب بچوں کے والدین کے ساتھ رابطہ کیا گیا۔ ٹریٹمنٹ دینے کے بعد سب کو ان کے گھر بھجوا دیا گیا۔

☆......☆......☆

گروہ کا سرغنہ پکڑا جا چکا تھا، دوسرے دن کی اخبار میں ایک بہت بڑی نیوز چھپی، جس میں عاصم کو بہت سراہا گیا۔ ہر طرف عاصم کی بہادری اور عقلمندی کے چرچے تھے۔ حکومت کی طرف سے اس کے ابو کا مفت علاج ہوا اور اسے انعام سے نوازا گیا۔

عاصم نے دوبارہ کالج میں داخلہ لے لیا۔ وہاں بھی اس کی خوب واہ واہ تھی۔

مدیحہ کے اسکول کی فیس بھی بھر دی گئی تھی۔ وہ بھی اب ریگولر اسکول جا رہی تھی۔

ابو جان کو دکان دوبارہ مل گئی تھی، حالات بہت اچھے ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆





55

سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

نواب حیدر علی کے انتقال پر رانیاں بہت خوش تھیں مگر جب ٹیپو سلطان نے ریاست میسور کا نام بدل کر سلطنت خداداد رکھ دیا تو وہ کرشن راؤ اور پورنیا کے سامنے اپنے نفرت وغضب کا مظاہرہ کرنے لگیں۔

''اب ہماری منزل زیادہ قریب آگئی ہے۔'' کرشن راؤ نے شراب کے نشے میں جھومتے ہوئے لکشمی ماں کو مخاطب کیا۔

''میں تیری باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔'' رانی لکشمی ماں کا لہجہ انتہائی تلخ تھا۔

''اس لڑکے نے ہماری جاگیر کا نام تک بدل ڈالا۔ اب ہم سلطنت خداداد میں رہتے ہیں۔ پھر یہاں رام راج کیسے آئے گا؟''

''ٹیپو کے مذہبی خیالات بہت جلد اسکے امیروں کو اس سے بدظن کر دیں گے'' کرشن راؤ، رانی لکشمی ماں کو اپنی منطق سمجھا رہا تھا۔

''وہ اپنے باپ کی طرح سخت مزاج نہیں ہے اور کوئی حکومت سختی کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ حیدر علی بہت تجربہ کار تھا۔ لوگ اس کے خوف سے سہمے ہوئے رہتے تھے۔ جب تک ٹیپو امور مملکت کا تجربہ حاصل کرے گا، اس وقت تک سلطنت خداداد کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہوں گی''۔ یہ کہہ کر کرشن راؤ نے ایک انتہائی مکروہ قہقہہ لگایا۔

''اس زمانے میں کون خدائی احکام پر عمل کرتا ہے؟ ٹیپو لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف بلائے گا اور ہم اس کے خاص کارندوں کے لئے

گناہوں کی شاہراہ کھول دیں گے۔
اب آپ ہی بتائیے کہ منزل ہوس کے مسافر کس طرف جائیں گے؟"
"تو یہی ایک بات برسوں سے کہہ رہا ہے۔" رانی لکشم ما، کرشن راؤ کی چرب زبانی سے تنگ آ گئی تھی۔
"مہارانی! یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ ویسے کرشن راؤ جی درست کہتے ہیں۔" اس بار پورنیا نے اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔
"حیدر علی بہت زیادہ ہوشیار اور جہاندیدہ انسان تھا۔ وہ اپنے کسی کارندے پر ہزاروں آزمائشوں کے بعد بڑی مشکل سے اعتبار کرتا تھا۔ اس کے برعکس ٹیپو ایک کھلے دل کا نوجوان ہے اور اپنی نوعمری کی وجہ سے ہر شخص پر بہت جلد اعتبار کر لیتا ہے۔
اس کی اس کمزوری نے میر صادق علی کو وزارت عظمیٰ کے منصب تک پہنچایا ہے۔ میر صادق علی ایک بد دیانت اور ہوس پرست انسان ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں بھی ان کے خواب دیکھے ہیں آپ میر صادق کی طرف توجہ دیجئے۔ وہ ہمارے لئے بڑا کام کا آدمی ہے۔"
"میر صادق مذہباً مسلمان ہے۔ وہ ہمارے کیا کام آ سکتا ہے؟" رانی دیوا جی منی نے سوال کیا۔
"ایک بد دیانت اور حریص انسان کا مذہب ہی کیا؟" پورنیا نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"میرا خیال ہے کہ اسے آسانی کے ساتھ ورغلایا جا سکتا ہے۔"
اس کے بعد پورنیا نے میسور کی رانیوں کے سامنے ایک بہت پیچیدہ منصوبہ پیش کیا۔
چھ سات ایسی خوب صورت لڑکیوں کا انتخاب کیا جائے جن کے خدو خال پارسا مردوں کو بھی توبہ توڑ دینے پر مجبور کریں۔ یہ ہندو دھرم کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔ انہیں بظاہر مسلمان بنا دیا جائے گا مگر وہ اندر سے ہندو ہی رہیں گی۔ یہ لڑکیاں مسلمان امیروں کی داشتہ بن کر رہیں یا بیویاں۔ ان کا بس ایک ہی کام ہو گا کہ وہ اپنی ذہانت سے سلطنت خداداد کے اہم عہدیداروں کی نیتوں کا حال جان لیں کہ وہ لوگ حقیقی معنوں میں سلطان کے وفادار ہیں یا انہیں زیادہ قیمت دے کر کوئی بھی شخص خرید سکتا ہے۔
"جب ہم اراکین سلطنت کے مزاجوں سے واقف ہو جائیں گے تو پھر سوچیں گے کہ کہاں اور کس طرح آگ لگائی جا سکتی ہے۔"
کرشن راؤ اپنے نائب پورنیا کا منصوبہ سن کر اُچھل پڑا اور رانیوں نے بھی وزیر خزانہ کو تعریفی نظروں سے دیکھا۔
"سلطان نے وزارت خزانہ دے کر اپنی شہ رگ میرے حوالے کر دی ہے۔" پورنیا نے ہونٹ

چباتے ہوئے کہا۔

”دولت انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ میں سیم و زر کی چمک سے حکومت کے بڑے بڑے اراکین کی آنکھیں خیرہ کر دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک سلطنت خداداد دیوالیہ بھی ہو جائے مگر یہ منصوبہ آہستہ آہستہ تکمیل کے مراحل طے کرے گا۔ باقی کام آپ کی منتخب لڑکیاں کریں گی۔ وہ مسلمان امیروں کے ایمانوں کو جانچیں گی اور ان کی باریکیوں کو تولیں گی۔

رانی لکشمی ما، پوجا کے بہانے سے سرنگا پٹم اور قرب و جوار کے دوسرے علاقوں کے مندروں میں گئی اور اس نے سات ایسی دیوداسیوں کا انتخاب کیا جو انتہائی حسین بھی تھیں اور ذہین بھی۔

پھر انہیں لے کر راج محل میں واپس آئی اور پورنیا کے منصوبے کے مطابق لڑکیوں کی تربیت کرنے لگی۔

☆......☆......☆

شجاعت خان کو میر صادق علی اور پورنیا کے انتخاب پر سخت اعتراض تھا۔

ایک دن موقع ملتے ہی اس نے ٹیپو سلطان سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

”شہزادے! تمہیں میر صادق کو اتنا بڑا عہدہ دینے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے تھا۔ اس نے ارکاٹ کی شکست کے بعد نواب بہادر کی ملازمت اختیار کی تھی۔ والا جاہ محمد علی تمہارے مرحوم والد کا بدترین دشمن ہے۔ اب پتہ نہیں کہ میر صادق کسی ارادے سے یہاں آیا ہے۔“

”آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ کتنا دیندار شخص ہے۔ بات بات میں خدا اور رسول کا نام لیتا ہے۔“

ٹیپو سلطان اپنے وزیر اعظم کی بھرپور وکالت کر رہا تھا۔

”بار بار قسم کھانا ہی تو اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔“

شجاعت خان نے کسی جھجک کے بغیر کہا۔

”میر صادق کی اس حرکت نے تو مجھے شبے میں مبتلا کیا ہے۔“

”ثبوت کے بغیر کسی مسلمان سے بدگمانی نہیں کرتے۔“ ٹیپو سلطان نے مذہب کی بنیاد پر ایک مضبوط دلیل پیش کی جسے سن کر شجاعت خان کو اپنی گفتگو کا زاویہ بدلنا پڑا۔

”پھر آپ اسے آزمائش کی مختلف بھٹیوں میں ڈالتے رہیں۔“ شجاعت خان، ٹیپو سلطان کو مشورہ دے رہا تھا۔

”اگر وہ سونا ہے تو کندن بن کر نکل آئے گا ورنہ آگ اس کی ذات پر چھپے ہوئے سارے رنگ اتار دے گی۔

حسن ظن اچھی چیز ہے شہزادے! مگر اس قدر بھی نہیں کہ ایک شخص، دوسرے شخص پر اندھا اعتبار کر لے اور پھر نئی نئی مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے۔“

''آپ کوئی اور بات کریں محترم چاچا!'' ٹیپو سلطان نے بڑی شائستگی سے کہا۔ دراصل وہ اس موضوع پر گفتگو سے گریز چاہتا تھا۔

''اور یہ ہندو پورنیا، جو شراب کا رسیا ہے۔'' شجاعت خان نے سلطنت خداداد کے وزیر خزانہ پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا۔

''کیا اسے ملکی دولت کا نگہبان بنایا جاسکتا ہے؟''

''اس کا مذہب اسے شراب پینے کی اجازت دیتا ہے۔'' ٹیپو سلطان نے پورنیا کی بادہ نوشی کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا۔

''پھر میں کون ہوتا ہوں اسے روکنے والا؟ اس طرح تو سرنگا اہم میں قدم قدم پر پوجا ہوتی ہے۔ پھر کیا میں مندروں میں تالے ڈال دوں اور ہندوؤں کو بتوں کی پوجا سے روک دوں؟''

ٹیپو ایک عالم و فاضل نوجوان تھا، اس لئے شجاعت خان کے ایک ایک سوال کی منطقی توجیہہ پیش کررہا تھا۔

''ہندو مذہب کی بخشی ہوئی آزادی کے باوجود پورنیا کھلے عام شراب نہیں پی سکتا اور جہاں تک اس کی حساب دانی کا تعلق ہے تو پوری مملکت میں اس جیسا ریاضی داں کوئی دوسرا موجود نہیں۔ اگر کوئی مسلمان ہے تو اس کی نشاندہی کرو، میں اسوقت پورنیا کا عہدہ گھٹا دوں گا۔'' شجاعت خان لاجواب نظر آنے لگا۔

''میرے محترم! میں آپ کے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے آج تک صرف جنگیں ہی لڑی ہیں اور وہ بھی نواب بہادر کی ہمرکابی میں۔ مجھے امور مملکت میں کوئی تجربہ نہیں۔ نواب بہادر ہی جانتے تھے کہ یہاں کون ہے کسی نے سوچا ہی نہ تھا کہ نواب بہادر اتنی عجلت میں چلے جائیں گے۔

کون دوست ہے اور کون دشمن؟ ہر چہرے پر وفاداری کا غازہ ملا ہوا ہے'' ٹیپو کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ شجاعت خان بھی اپنے آقا کے ذکر پر رونے لگا۔

''دنیا میں یہی تو ہوتا ہے کہ ایک حکومت کا سربراہ بوڑھا ہوکر اپنی موجودگی میں اپنے جانشین کو اقتدار منتقل کرتا ہے۔ سیاست کے اسرار و رموز سمجھاتا ہے۔ بساط کے مہروں کا بتاتا ہے کہ کون کتنا باصلاحیت ہے اور کون کتنا ناکارہ ہے۔ اب مشیت الٰہی کہ فرشتہ نے نواب بہادر کو اتنی فرصت ہی نہیں دی کہ وہ اپنے مشاہدات و تجربات کی دولت مجھے عطا کرتے۔

اس اعتبار سے تو میں ایک مفلس حکمراں ہوں۔ میں نے زلزلے کی سی حالت میں سنبھالا ہے؟ کوئی لشکر کسی محاذ پر پڑا ہے، کوئی فوج دارالحکومت سے دور کسی دوسرے مورچے پر خیمہ زن ہے۔

میں خود نائروں کی بغاوت کو کچلے بغیر سرنگا پٹم چلا آیا تھا۔ اب میں نہیں جانتا کہ وہاں کیا

صورتِ حال ہے؟ مجھے بتائیے کہ میں ان ہنگامی حالات میں اور کیا کرتا؟

جو جو مہرے میسر تھے، انہیں اپنی ذہنی استعداد کے مطابق بساط حکومت پر سجا دیا ہے۔

اگر کوئی قابل نہیں ہے تو اس کا تم نعم البدل پیش کرو۔ خدا کی قسم! میں اپنی انا کا اسیر نہیں۔

جو خدا کے بندوں کی خدمت کرے گا، وہی میرا رفیق سفر ہو گا۔" ٹیپو کی گفتگو سن کر شجاعت خان بے قرار ہو گیا۔

"شہزادے! خدا تمہاری نظر کو اور وسعت دے! میں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا مگر تمہارا دماغ مجھ سے زیادہ بہتر انداز میں سوچتا ہے۔ پھر یہ خدمت گار جہاں مناسب سمجھے گا، اپنی رائے کا اظہار ضرور کرے گا کہ میرے لئے نواب کا آخری حکم یہی تھا۔"

☆......☆......☆

تخت نشینی کی رسم کے فوراً بعد ہی ٹیپو سلطان دوبارہ محاذ جنگ کی طرف متوجہ ہوا۔ پہلے اس نے دو ہزار فرانسیسی سپاہیوں کا ایک دستہ انگریزوں سے معرکہ آرائی کے لئے روانہ کیا۔

اس رات انگریزی فوج، جنرل اسٹیوارٹ اور جنرل لانگ کے ماتحت وانڈی واش میں خیمہ زن تھی۔ فرانسیسی دستے کو روانہ کرنے کے بعد سلطان خود بھی شجاعت خان اور محمد علی کمیدان کو لے کر مور کے راستے سے واڈی واش کی طرف بڑھا اور پانچ میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہو گیا۔ دوسرے دن حیران کن طور پر انگریزی فوج نے اپنے خیمے اکھاڑ ڈالے اور تیز رفتاری کے ساتھ مر اس کی طرف چلی گئی۔

سلطان بھی اپنی فوج کو لے کر ترو تور کی طرف بڑھا۔ اس دوران ایک برق رفتار قاصد سرنگا پٹم سے ترو تور پہنچا اور اس نے فاطمہ بیگم کا ایک پیغام سلطان کے حوالے کیا۔ سلطان ٹیپو کی والدہ نے مختصر لکھا تھا کہ رسالدار شامی اور قلعہ دار مل کر دارالحکومت پر بند کرنا چاہتے ہیں اور حرم سرائے سلطان کی آبرو خطرے میں ہے۔

فاطمہ بیگم کا خط پڑھ کر ٹیپو سلطان سناٹے میں آ گیا۔ دشمنوں نے عجیب چال چلی تھی کہ وہ حرم سرا کی خواتین اور بچوں کو یرغمال بنا کر دارالحکومت پر قبضہ کر لینا چاہتے تھے۔ ٹیپو عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔

وہ سرنگا پٹم کو بچانے کے لئے واپس لوٹتا تو دوسرے اہم علاقوں پر دشمن قابض ہو جاتے اور پھر سلطنت خداداد لحظہ بہ لحظہ کمزور ہوتی چلی جاتی۔ مجبوراً اس نے محمد علی اور شجاعت خان کو خلوت میں طلب کر کے فاطمہ بیگم کا خط سنایا۔ دونوں جانبازوں کے چہرے غصے کی آگ میں جل اُٹھے۔

(جاری ہے)

☆......☆......☆



تاجر کی تھیلی

ایک تاجر بازار میں چلتا ہوا دائیں بائیں کی اشیاء دیکھتا ہوا جا رہا تھا کہ اچانک وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

اس نے جلدی جلدی اپنی جیبیں ٹٹولیں اور وہ دھک سیرہ گیا۔ اس کی اشرفیوں والی تھیلی گم تھی۔ اس نے اپنی زنبیل کھنگالی مگر تھیلی نہ ملی۔

اب تو وہ گھبرا گیا۔ اس نے سارے بازار کا چکر لگایا کہ شاید وہ تھیلی کہیں پڑی ہوئی مل جائے مگر تھیلی نہ ملی۔

اب اس نے ایک جگہ اعلان کرایا کہ جو اس کی تھیلی اسے لا کر دے گا، وہ اسے سو اشرفیاں انعام کے طور پر دے گا۔

اللہ کی قدرت چند منٹ بعد تھیلی مل گئی۔

تھیلی ڈھونڈ کر لانے والا ایک کمزور سا آدمی تھا۔

''یہ لیں بھائی اپنی تھیلی۔''

''ہوں لگ تو وہی رہی ہے۔''

''جی ہاں، یہ آپ کی بتائی گئی نشانیوں کے مطابق ہے۔''

''میں اسے چیک کرلوں؟''

اس نے بھنویں اچکائیں۔

''جی ضرور میں نے اسے کھولا تک نہیں ہے۔'' مسکین شخص نے جواب دیا۔

ادھر تاجر کی نیت انعام نہ دینے کی بن گئی۔ اس نے تھیلی کھولی اور اس میں موجود اشرفیاں گننے لگا پھر اس کی چیخ سنائی دی:

''یہ کیا؟''

''کیا ہوا جناب؟''

''میری تھیلی میں سو اشرفیاں کم ہیں۔''

تاجر چیخا۔

ایسے میں وہ فقیر شخص پرسکون انداز میں بولا:

''جناب آپ ایک بات بھول رہے ہیں۔''

''اور وہ کیا؟'' تاجر چونکا۔

''سوچیں، غور کریں، جب آپ نے تھیلی کھولی تو اس پر ایک مہر لگی ہوئی تھی اور یہ مہر سب لوگوں نے لگی ہوئی دیکھی ہے، مہر آپ نے خود توڑی ہے اور اب آپ چوری کا واویلا بھی مچا رہے ہیں۔

اگر سیل اور مہر کھلی ہوتی تو آپ کی بات درست ہوتی مگر آپ شاید اس بات پر خوش نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دولت آپ کو لوٹا دی۔ آپ کو تو صرف یہی فکر ہے کہ کہیں انعام نہ دینا پڑ جائے۔''

اس کی بات سن کر سبھی چونک پڑے۔ ادھر وہ تاجر بھونچکا رہ گیا۔

فقیر شخص بولا:

''اجازت چاہوں گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مَنْ لَا یَشْکُرُ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ۔''

(ترمذی، البر، رقم: ۱۹۵۵)

کہ جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار بندہ نہیں ہوتا۔

یہ سن کر سبھی لوگ سر ہلانے لگے۔

☆......☆......☆

خوبصورتی

گلاب کے پودے میں پھول کم اور کانٹے زیادہ ہوتے ہیں۔ پھر بھی ہم اُسے کانٹے کا پودا نہیں بلکہ گلاب کا پودا کہتے ہیں۔

کیونکہ گلاب کا پھول اپنی خوبصورتی، رنگ اور خوشبو کی وجہ سے ہی کانٹوں سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے بالکل اِسی طرح ہر انسان میں خُوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی۔

اپنی خُوبیوں کو پہلے سے زیادہ پختہ کیجیے اور خُوبصورت بنائیے تاکہ لوگوں کو آپ کی خُوبیوں سے اِتنا فائدہ ہو کہ وہ آپ کی خامیاں اگنور ہی کر دیں۔

(حواء بنت زبیر)

خوش قسمتی کا راستہ

عائشہ بنت بابر



عکراش سکول سے آیا تو خلاف معمول خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ صبیحہ بیگم کچن میں مصروف تھیں، جب وہ کافی دیر تک باہر نہیں آیا تو وہ اس کے کمرے میں گئیں اور سامنے کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

عکراش جائے نماز پر قبلہ رخ بیٹھا دعا کر رہا تھا۔ صبیحہ کچھ دیر اُسے دیکھتی رہیں۔

اُس نے دعا کے بعد اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرے اور جائے نماز لپیٹ کر بیڈ پر جا لیٹا۔

صبیحہ اُس کے پاس جا بیٹھیں، اور پوچھا کہ بیٹا آپ کیا دعا مانگ رہے تھے۔

وہ کچھ نہیں بولا۔

”کیا ہوا بیٹا! ناراض کیوں ہو؟“ اُس کا خراب موڈ دیکھ کر صبیحہ بولی۔

”امی جان! اتنے دن ہو گئے ابھی تک بابا جان بکرا نہیں لائے، میرے سب دوستوں کے بکرے آگئے ہیں۔ صرف میرا بکرا نہیں آیا۔ اب میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ پیارے اللہ تعالیٰ جی!

آپ نے میرے سب دوستوں کو بکرے دے دیے ہیں، مجھے بھی اتنا پیارا موٹا تازہ بکرا دے دیجئے!“

”ان شاء اللہ! آج آپ کا بکرا بھی آجائے گا، پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کی تھی ناں، اسی لیے اتنے دنوں سے بکرا نہیں مل رہا تھا“ صبیحہ اس کے انداز پر مسکرا دی اور کہا۔

اسی دوران گیٹ پر دستک ہوئی، عکراش فوراً اُٹھا اور گیٹ کھولنے کے لیے آگے بڑھا، عبدالواسع صاحب دو بکروں کی رسیاں تھامے اندر داخل ہوئے تو عکراش خوش ہونے کے ساتھ ساتھ حیران بھی ہوا۔ عبدالواسع صاحب نے دونوں بکرے پہلے سے تیار کی گئی جگہ پر لے جا کر باندھ دیے۔

انہوں نے خوبصورت سرسبز لان کے ایک طرف پختہ فرش بنا کر دیوار کے ساتھ کھونٹے لگا رکھے تھے۔

بکرے باندھنے کے بعد انہوں نے ساتھ لایا ہوا چارہ انہیں ڈالا اور کمرے کی طرف بڑھنے لگے تو عکراش خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ان سے پوچھنے لگا:

''بابا جانی! اس بار آپ دو بکرے کیوں لائے ہیں؟''

''بیٹا! اس بار ہم دو بکروں کی قربانی کریں گے۔ ان شاء اللہ'' بابا جان نے اُسے اپنے ساتھ اندر چلنے کا اشارہ کیا اور بولے۔

''لیکن وہ کیوں بابا جانی؟'' عکراش نے حیرت سے سوال کیا۔ اتنے میں صبیحہ بیگم کھانے کی ٹرے سجائے کمرے میں داخل ہوئی۔

''پہلے کھانا کھا لیں، پھر میں آپ کو اس کی وجہ بتاؤں گا'' بابا جان بولے۔

صبیحہ بیگم دستر خوان پر کھانا لگا کر ساتھ والے کمرے میں سوئی عفراء کو جگانے گئیں، جو کب سے خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔

اسے ہاتھ منہ دھو کر آنے کا کہہ کر وہ خود دستر خوان پر آ بیٹھیں۔

عفراء بھی ہاتھ منہ دھو کر چلی آئی، آج عکراش اور عفراء کی پسندیدہ ڈشز کوفتہ بریانی اور چپلی کباب دستر خوان کی زینت تھیں، سب نے مل کر مزے سے کھانا کھایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

کھانا کھاتے ہی، عکراش نے عفراء کو ساتھ لیا اور لان کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دور جا کر عفراء رک گئی اور کہنے لگی۔

''میں بس یہیں سے دیکھوں گی، مجھے ڈر لگتا ہے۔''

دراصل وہ پچھلے سال عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے لیے لائے گئے بیل کے ہنگامے کو یاد کر کے خوفزدہ ہو رہی تھی۔ وہ عید سے ایک دن پہلے رسی تڑوا کر بھاگ گیا تھا اور پھر بڑی مشکل سے بابا جان نے محلے کے کچھ لوگوں کی مدد سے اُسے پکڑا تھا۔

''یہ بکرے ہیں بکرے، بیل نہیں ہیں، یہ نہیں مارتے، آؤ! میرے ساتھ!''

عکراش نے یہ کہہ کر عفراء کا ہاتھ پکڑا اور اسے بکروں کے پاس لے گیا۔

''لے دیکھو! یہ کچھ بھی نہیں کہتے'' اُس نے بکرے کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔

عکراش کے کہنے پر عفراء کا ڈر بھی دور ہو گیا اور وہ بھی دوسرے بکرے کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اسی دوران عبدالواسع صاحب بھی وہاں آ گئے۔ انہوں نے دونوں بچوں کو ساتھ لیا اور نرم نرم گھاس پر آ بیٹھے۔

''بابا جان! آپ نے مجھے بتانا تھا کہ ہم اس بار دو بکروں کی قربانی کیوں کر رہے ہیں؟'' عکراش کو اپنا سوال یاد آیا اور کہنے لگا۔

''جی بیٹا! میں آپ کو بتانے ہی والا تھا کہ آپ یہاں آ پہنچے۔ بیٹا! کیا آپ جانتے ہیں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام کونسا ہے؟'' عبدالواسع

صاحب گویا ہوئے۔

''جی بابا جانی! اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمان بنایا، یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے'' عکراش نے جواب دیا۔

''شاباش بیٹا! ایمان ہی ہم پر اللہ تعالیٰ کا سب سے عظیم انعام و احسان اور ہماری سب سے قیمتی متاع ہے، اور ایمان کی دولت ہم تک پہنچنے کا واسطہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اپنی ذات مبارک پر آنے والی تمام تکالیف سہہ کر ہم تک دین اسلام پہنچایا۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر اتنا عظیم احسان ہے کہ ہم اس کا بدلا کبھی نہیں دے سکتے، اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ جب قربانی ادا فرماتے تو اس میں اپنی امت کو بھی شریک فرماتے تھے۔

اس بار میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اپنی واجب قربانی کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب نبی ﷺ کی جانب سے بھی قربانی کریں۔'' بابا جان بولے۔

''عفراء جواب تک خاموشی سے ساری گفتگو سن رہی تھی، بولی پھر تو ہمارا بکرا سب سے زیادہ خوش قسمت ہوگا، جو ہمارے نبی ﷺ کی طرف سے قربان ہوگا۔''

''جی میری گڑیا! ہمارا بکرا بہت خوش قسمت ہے۔ اسی لیے میں نے اس کے لیے ایک اور فیصلہ بھی کیا ہے۔'' بابا جان نے کہا تو عکراش نے بے تابی سے پوچھا۔

''وہ کیا بابا جان؟''

عبدالواسع صاحب نے بتایا، ہم اپنی واجب قربانی تو اپنے گھر پر ہی کریں گے اور دوسرا بکرا یعنی خوش قسمت بکرا مجاہدین کرام کو دیں گے، اس طرح خوش قسمت بکرا اللہ تعالیٰ کے خوش قسمت ترین بندوں کا رزق بن کر ہمارے لیے ذخیرہ آخرت بنے گا''

''ان شاء اللہ۔ ان شاء اللہ'' دونوں بچوں نے بھی بیک زبان کہا۔

فضا میں اذان عصر کی دلکش صدا گونجنے لگی تھی۔ عبدالواسع صاحب عکراش کو ساتھ لیے مسجد کی جانب چل دیے اور عفراء اپنی امی جان کے ساتھ نماز ادا کرنے لگی۔

عکراش اور عفراء اب دونوں بکروں کی خدمت میں لگے رہتے، خوش قسمت بکرے کے ساتھ تو انہیں خصوصی لگاؤ ہوگیا تھا۔

آج ان کا خوش قسمت بکرا ان سے جُدا ہونے والا تھا کیونکہ کل عید الاضحیٰ تھی اور آج شام کو بابا جان نے اسے علاقے کے ذمہ دار ساتھی کے حوالے کر دینا تھا۔

عکراش اور عفراء دونوں بہت اداس تھے، وہ بکرے کی خوش قسمتی پر خوش بھی تھے لیکن اس کی جدائی انہیں افسردہ کر رہی تھی۔

شام کا وقت ہوا اور بابا جانی اسے کھول کر لے

جانے لگے تو عکراش اور عفراء بکرے سے گلے ملے، اسے خوب پیار کیا اور آنسوؤں کے ساتھ اسے رخصت کر دیا۔ عید کی پُرمسرت صبح طلوع ہوئی۔

عکراش اجلے سفید سوٹ پر سیاہ واسکٹ پہنے سر پر سفید ٹوپی سجائے عبدالواسع صاحب کے ہمراہ عیدگاہ کی جانب چل دیا۔

نماز عید کی ادائیگی کے بعد وہ دونوں گھر پہنچے۔ اتنے میں قصاب چچا بھی آ گئے۔

عکراش بابا جان کے ساتھ لان میں پہنچا تو خوش قسمت بکرے کو نہ پا کر اداس ہو گیا۔

بابا جان نے اسے تسلی دی اور بکرا کھول کر قصاب کے حوالے کیا۔

چھری پھیرتے ہی خون کا فوارہ نکلا تو پاس کھڑی عفراء زور زور سے روتے ہوئے امی جان کے پاس چلی گئی۔ امی جان نے اُسے چپ کرایا۔ تھوڑی دیر میں گوشت تیار ہو کر آ گیا۔

صبیحہ بیگم نے گوشت کے تین حصے کیے۔ رشتہ داروں اور محلے کے غریبوں کے حصے کے گوشت کے پیکٹ بنا کر عبدالواسع صاحب کے حوالے کیے، وہ عکراش کو ساتھ لیے گوشت تقسیم کرنے چلے گئے اور صبیحہ بیگم کھانا تیار کرنے لگیں۔

بابا جان اور عکراش کے واپس آنے تک کھانا تیار تھا۔ سب دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ بابا جان نے عکراش اور عفراء کے اُترے ہوئے چہرے دیکھے تو بولے:

”بچو! دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل سے مال عطا فرما کر اس میں سے ہم سے قربانی مانگی اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے تو بیٹے کی قربانی مانگی اور انہوں نے بلا تاخیر اپنے جگر گوشے کی گردن پر چھری چلا دی تھی۔

آج بھی کتنے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں جو میدان جہاد میں اپنی جانوں اور جسموں کی قربانی اپنے محبوب رب کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔

ہمیں قربانی کے بعد اداس ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی راہ میں مال قربان کرنے کی سعادت بخشی اور ساتھ ہی یہ عزم بھی دہرانا چاہیے کہ ان شاء اللہ ہم اللہ تعالیٰ کے مبارک دین کی سر بلندی کے لیے اپنی جان پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

اور یہی ہمارے قربانی کے بکروں کا پیغام ہے۔“

دونوں بچے آج بکروں کے اس پیغام سے پہلی بار روشناس ہوئے تھے۔

اور خوش قسمت بکرا جاتے جاتے انہیں بھی خوش قسمتی کا راستہ دکھا گیا تھا۔

☆......☆......☆



سونے کی چونچ

سامعہ اسلم

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک جنگل میں ایک مینا اور ایک چڑیا رہتی تھیں۔ دونوں کی آپس میں بہت دوستی تھی۔ وہ مل کر کھیلتیں اور مل کر کام کرتیں۔

ایک دفعہ چڑیا اڑتے اڑتے دور جا نکلی۔ اسے پیاس لگی تو وہ ایک پہاڑ میں سے بہتے ہوئے چشمے سے ٹھنڈا پانی پینے لگی۔ اس پہاڑ میں سے چند قطرے اس کی چونچ پر آن پڑے۔ اسے اپنی چونچ بھاری بھاری محسوس ہونے لگی اس نے ادھر ادھر سر جھٹکا مگر چونچ پر پڑا وزن کم نہ ہو سکا۔

اس نے پہاڑ سے سوال کیا، اے پہاڑ! میری چونچ پر آخر اتنا وزن کیوں؟

پہاڑ بولا، ننھی چڑیا! میں سال میں ایک دفعہ روتا ہوں۔ میرے آنسو سونے کے ہوتے ہیں۔ جب تم نے پانی پیا۔ اتفاق سے میرے آنسوؤں کے چند قطرے تمہاری چونچ پر پڑے اور تمہاری چونچ کے اوپر سونے کا خول چڑھ گیا ہے۔ چڑیا گھر واپس لوٹ آئی۔

اگلے دن سب پرندے چڑیا کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ سونے کی چونچ کی چمک دمک ہی نرالی تھی۔ چڑیا سے سب سونے کی اس چونچ کا راز پوچھتے۔ چڑیا بھولی بھالی ساری کہانی سنا دیتی۔ جنگل میں چڑیا سونے کی چونچ والی مشہور ہو گئی۔ سب اس کی خوبصورتی کی تعریف کرنے لگے۔ باقی تمام چھوٹے پرندے بھی چڑیا سے دوستی کے خواہش مند ہو گئے۔

مینا کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اسے چڑیا کی شہرت سے حسد ہونے لگا۔ اسے اپنی کالی چونچ سخت بری لگتی۔ وہ چپکے چپکے کئی بار اس پہاڑ کے نیچے گئی۔ سارا دن گزر جاتا مگر نہ پہاڑ آنسو بہاتا اور نہ ہی مینا کی چونچ سونے کی بنی۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتی کہ یا تو میری چونچ سونے کی ہو جائے یا چڑیا کی سونے کی چونچ کھو جائے۔ چڑیا مینا کی حسد بھری نظروں سے بے خبر تھی۔

ایک دن مینا چڑیا کے گھر آئی اور بولی۔ چڑیا بہن کسی زمانے میں ہم دونوں میں کس قدر پیار تھا مگر جب سے تمہاری چونچ سونے کی بنی ہے تم نے مجھے بھلا ہی ڈالا۔

چڑیا بولی، مینا کیسی باتیں کرتی ہو؟ میری چونچ ضرور سونے کی بن گئی ہے مگر میں نہیں بدلی

ہوں۔تم دل برا مت کرو!

مینا بولی، اگر یہ بات ہے تو کل رات کا کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ۔

مل کر خوب باتیں کریں گے، کھیلیں گے اور پیڑ کی شاخوں پر جھولا جھولیں گے۔

چڑیا نے کہا، ضرور کل میں شام کو ہی تمہارے ہاں آجاؤں گی۔ رات کو واپسی پر جگنو خالو مجھے میرے گھونسلے تک چھوڑ دیں گے۔

مینا چڑیا سے وعدہ لے کر پھر سے اڑ گئی اور سیدھی ڈاکٹر لومڑی کے پاس جا پہنچی۔ ڈاکٹر لومڑی نے مینا کو دیکھ کر کہا، آؤ مینا کیسے آنا ہوا؟ کہیں بیمار تو نہیں ہو؟

مینا بولی، ڈاکٹر صاحبہ! کئی دنوں سے سو نہیں سکی نجانے میری نیند کہاں کھوگئی ہے۔مہربانی فرما کر مجھے نیند کی دوا دے دیں تاکہ ایک دو دن خوب سوسکوں۔

مینا ڈاکٹر لومڑی سے نیند کی دوا لے کر گھر پہنچی۔ دوائی کو گھونسلے کے ایک کونے میں رکھا اور خود گہری نیند سوگئی۔

اگلے دن چڑیا کے آنے سے پہلے ہی مینا نے دو تین قسم کے اچھے کھانے چڑیا کے لئے تیار کیے۔انہیں شیشے کی پلیٹوں میں سجایا۔کھانے میں ڈاکٹر لومڑی کی دی ہوئی نیند کی دوائی شامل کر دی اور کام ختم کر کے چڑیا کا انتظار کرنے لگی۔

بیچاری چڑیا ندی پر جا کر خوب نہائی، پروں میں کنگھی کی، آنکھوں میں سرمہ لگایا اور اپنی سونے کی چمکتی ہوئی چونچ کو خوب چمکایا اور مینا کی طرف چل پڑی۔

راستے میں بی بکری سے پھول لئے تو بی بکری بولی، واہ چڑیا آج تو پوری ہی سونے کی لگ رہی ہو۔کیا کسی شادی میں جا رہی ہو۔

چڑیا نے مینا کی دعوت کے بارے میں بتایا اور پھول لے کر چل دی۔

راستے میں ایک درخت پر جگنو خالو نیند کے مزے لے رہے تھے چڑیا نے ان کے کان کے پاس جا کر زور سے چوں چوں کی۔تو وہ ایک دم سے ڈر کر جاگ گئے۔ چڑیا ہنس دی اور جگنو خالو کو تاکید کرنے لگی کہ رات کو واپسی پر مینا کے گھر سے مجھے میرے گھر تک پہنچا دینا۔کیونکہ راستے میں اندھیرا ہو جائے گا۔جگنو خالو نے چڑیا سے وعدہ کر لیا اور چڑیا خوشی خوشی مینا کے گھر جا پہنچی۔

دونوں سہیلیاں بہت پیار سے ملیں۔کافی دیر بیٹھ کر باتیں کرتی رہیں۔ پھر مینا نے چڑیا کو کھانا پیش کیا۔ چڑیا کو چاول کے دانوں کی کھیر بہت پسند آئی اور اس نے خوب جی بھر کر کھایا۔مینا پاس بیٹھی چڑیا کو اصرار کر کر کے اور کھلاتی رہی۔تھوڑی دیر بعد چڑیا کو اپنا سر بھاری محسوس ہونے لگا۔ آنکھیں نیند سے بھرنے لگیں۔ چڑیا نے پر ہلا کر اڑنا چاہا مگر نیند کی دوائی اثر کر چکی تھی اور چڑیا بے ہوش ہوگئی۔

چڑیا کے بے ہوش ہوتے ہی مینا نے جلدی سے چڑیا کی سونے کی چونچ والا خول اتارا اپنی کالی چونچ کاٹی اور اپنے منہ پر سونے کی چونچ سجا لی اور جلدی سے جنگل کی سمت اڑ گئی۔ خالو جگنو مینا کے گھونسلے کے باہر کافی دیر تک چڑیا کا انتظار کرتے رہے۔ مگر چڑیا گھونسلے سے باہر نہ آئی۔ چونکہ جگنو چڑیا سے گھر چھوڑنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ اب وہ کسی صورت اپنا وعدہ نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ کیونکہ کسی سے بھی وعدہ کرو تو ہمیشہ پورا کرو۔

اسی لئے وہ مینا کے گھونسلے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ گھونسلے کے اندر کی خاموشی سے جگنو کو کسی خطرے کی بو محسوس ہونے لگی۔ جگنو خالو گھونسلے کے اندر داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا چڑیا بے ہوش پڑی ہے۔ انہوں نے جلدی سے چڑیا کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ چڑیا نے تھوڑی سی حرکت کی اور آنکھیں کھول دیں۔

خالو جگنو نے پوچھا، چڑیا تم کون ہو؟

چڑیا بولی، خالو جان! آپ نے مجھے پہچانا نہیں میں سونے کی چونچ والی آپ کی بھانجی چڑیا ہوں۔

جگنو خالو بولے، مگر تمہاری چونچ تو سونے کی نہیں ہے۔ چڑیا نے گھبرا کر چونچ پر پنجہ مارا تو اسے اپنے ناک کے پاس باریک سی چونچ محسوس ہوئی۔

وہ بھاری بھرکم سونے کا خول غائب تھا۔ اسے ساری بات یاد آگئی کہ کس طرح مینا نے اسے دھوکہ دیا۔ اس نے مینا کو ادھر ادھر ڈھونڈا۔ مینا وہاں ہوتی تو نظر آتی۔ مینا کو نہ پا کر چڑیا رونے لگی۔

رات کی تاریکی میں چڑیا کے شور نے جنگل میں سوئے تمام پرندوں کو جگانا شروع کر دیا۔ سب چڑیا کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ چیڑیا زار و قطار رو رہی تھی اور خالو جگنو سب کو بار بار مینا کے دھوکے اور چڑیا کی سونے کی چونچ کا قصہ سنانے میں مصروف تھے۔ سب پرندوں کو مینا پر شدید غصہ تھا کہ آخر مینا نے اپنی دوست چڑیا کے ساتھ ایسا دھوکہ کیوں کیا۔ مینا کو جنگل میں ہر طرف تلاش کیا گیا مگر مینا نہ ملی ہر پرندہ اور جنگل کا جانور چڑیا کو انصاف اور مینا کو سزا دلوانا چاہتا تھا۔ اسی لئے زور شور سے مینا کی تلاش جاری تھی۔

کافی دنوں کے بعد جنگل کے آخری حصے سے مسٹر بندر کے کچھ دوست اسے ملنے آئے۔ رات کو بیٹھے تمام بندر گپ شپ لگا رہے تھے۔

طرح طرح کے قصے سنا کر ایک دوسرے کو حیران کرنے کی کوشش میں تھے ایک مہمان چھوٹے بندر نے کہا۔

میں نے جنگل میں ایک عجیب سی مینا دیکھی ہے۔ ہے تو وہ عام مینا ہی جیسی مگر اس کی چونچ سونے کی ہے۔ اس قدر چمکتی ہے کہ اندھیرے میں بھی روشنی ہو جاتی ہے۔ اسی درخت کی شاخ پر

جگنو خالو بھی بیٹھے سوتے جاگتے بندروں کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جب جگنو خالو کے کان میں سونے کی چونچ والی مینا کی بات پڑی تو وہ چونک اٹھے اور غور سے بندر کی بات سننے لگے۔

صبح ہوتے ہی وہ چڑیا کے گھر جا پہنچے اور چڑیا کو سارا قصہ کہہ سنایا۔ چڑیا نے اپنے تمام خاندان کو اکٹھا کیا اور ماموں الو اور پھوپھو گلہری کو ساتھ لیا اور بندروں کے پاس جا پہنچے۔ بندر بے چارے سوئے پڑے تھے۔ پرندوں کی شور کی آواز نے انہیں جگا دیا۔

ان سے سونے کی چونچ والی مینا کا قصہ پوچھا۔ درخت کے بارے میں معلومات لے کر پرندوں اور چھوٹے جانوروں کی دو فوجیں تیار کی گئیں۔ مہمان بندروں کی رہنمائی میں رات کی تاریکی میں جنگل کے آخری حصے میں دونوں پہنچیں۔ خالو جگنو اپنے سارے خاندان کے ساتھ روشنی کی سہولت پہنچاتے رہے۔ رات کو ہی اچانک حملہ کر کے سوئی ہوئی مینا کو گرفتار کر لیا گیا۔

اگلی صبح جنگل میں بہت رونق تھی، جنگل کا بادشاہ شیر بڑی شان سے دربار سجائے بیٹھا تھا۔ الو، بندر، ریچھ، ہاتھی، زرافہ، مینا، طوطے، مور اور رنگ برنگی چڑیاں سب جمع تھے۔ تتلیاں اور جگنو بھی ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔

شیر کے سامنے دھوکے باز مینا کو پیش کیا گیا۔ الو نے تمام قصہ سنایا۔ ڈاکٹر لومڑی نے گواہی دی کہ مینا نے اس دن اس کے کلینک سے نیند کی دوائی لی تھی اور جگنو خالو نے گواہی دی کہ مینا کے گھونسلے میں اس نے چڑیا کو بے ہوش پڑے دیکھا اور سب سے بڑا ثبوت تو مینا کی سونے کی چونچ تھی جو چمک رہی تھی۔

مینا شرمندگی سے سر جھکائے کھڑی تھی۔ تمام پرندے شیر بادشاہ سے چڑیا کو انصاف دلانے کی درخواست کر رہے تھے۔

شیر نے تمام گواہیاں سن کر چیتے اور ہاتھی سے مشورہ کیا اور ڈاکٹر لومڑی سے کہا کہ مینا کی سونے کی چونچ اتار کر ابھی چڑیا کو واپس لگا دو۔

ڈاکٹر لومڑی نے حکم کی تعمیل کی اور مینا کی چونچ اتار کر چڑیا کو واپس لگا دی اور مینا کو چھوڑ دیا گیا کیونکہ اس نے اپنی سزا کا بندوبست خود کر لیا تھا۔ جب اس نے اپنی کالی چونچ کاٹ کر سونے کی یہ چونچ لگائی تھی اب مینا پورے جنگل میں شرمندہ شرمندہ سی بغیر چونچ کے پھرتی ہے۔

نہ ٹھیک طرح سے دانہ چگ سکتی ہے اور نہ کیڑے مکوڑوں کا شکار۔ اب اسے اپنی حرکت پر بہت افسوس ہے مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

ساتھیو! کسی کی اچھی چیز دیکھ کر اپنی چیز کو برا مت سمجھو اور کسی سے حسد مت کرو!

☆......☆......☆

☆......☆......☆

"اوہ! دوستو! آج شانو گلہری بھی مرگئی۔"

"کیا.....؟" سب ایک ساتھ چلائے۔

"بیچاری شانو کے چھوٹے چھوٹے بچے کہاں جائیں گے وہ بیچارے؟" چھنٹو نے قدر افسوس سے کہا۔

"آؤ ہم چلتے ہیں۔ اب شانو کے کفن دفن کا انتظام بھی تو کرنا ہے۔ بچے کیا کریں گے اکیلے؟" چڑیا بولی۔



"ارے! وہ طوطی کہاں ہے؟ اسے غسل دینے کے لیے بلالو!"

طوطی کو تو ہر وقت اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے کی ہے"

کبوتر کا جملہ ابھی پورا نہ ہوا تھا کہ طوطی کا منہ کھل گیا۔

"تم! مجھے یہ الزام کیسے دے سکتی ہو؟ حالانکہ میں تم سے پہلے کی یہاں موجود ہوں"

"اب بس لڑنا بند کرو! سامنے میت پڑی ہے۔ اس کا خیال بھی نہیں تم دونوں کو۔"

تھوڑی دیر تک وہ شانو کو دفنا چکے تھے۔ اب وہ سب شانو کے گھر کے باہر بیٹھے تھے۔ شانو کے بچے ابھی بھی روئے جارہے تھے۔

"اب ان کی کفالت کون کرے گا؟"

"میں ان کو اپنے گھر لے جاؤں گی اور انہیں اپنے بچوں کے ساتھ پالوں گی۔" شانو کی دوست نیشو فوراً بولی۔

پھر سب اپنے گھروں کو چل دیئے۔

ایک دن دوست اکٹھے بیٹھے تھے کہ شنکو بولا۔

"ہمیں یہ جنگل چھوڑ دینا چاہیئے ورنہ آئے دن کوئی نہ کوئی مرتا رہے گا۔"

"لیکن جن کو بیماری لگ چکی ہے ان سے بیماری وہاں بھی پھیل جائے گی۔"

"ہم ان کو یہیں چھوڑ جائیں گے یہ بھی کوئی بڑا مسئلہ ہے جو حل نہ ہوگا۔"

بندر نے بڑا سا منہ کھول کر کہا۔

"نہیں...ہرگز نہیں ہم ایسا نہیں کر سکتے۔" سنہری چڑیا چیخی۔

"تم ہو ہی بے رحم، خود غرض، کام چور، دفعہ ہو جاؤ دوبارہ ایسا سوچنے کی بھی ہمت نہ کرنا۔ ہم اپنے بچاؤ کے لئے اپنے رشتے داروں اور دوستوں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جاسکتے ہیں۔

ناممکن ...'' چھنٹو نے انکو کھینچا۔

''ہمیں بھالو میاں کے پاس جانا چاہئے تاکہ وہ ہمارا کچھ علاج کرے'' ٹنکی نے مشورہ دیا

''یس! یہ گڈ آئیڈیا ہے۔'' پنکی اچھلی۔

''چلو پھر دیر کیسی؟ ہم ابھی چلتے ہیں منکو نے کہا تو سب دوست چل دیے۔

☆......☆......☆

''السلام علیکم! بھالو میاں! صبح بخیر!''

''وعلیکم السلام!'' بھالو میاں آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''خیریت؟ صبح صبح؟ اور سارا جنگل؟ کہیں میری جان لینے تو نہیں آئے؟'' بھالو نے حیرانگی سے اتنے سوال اکٹھے داغ دیے۔

''نہیں حکیم صاحب! ہمیں آپ کی مدد کی تھوڑی ضرورت ہے۔'' چھوٹی چڑیا بولی۔

''کیا ہوا؟ اور میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں'' بھالو سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''حکیم صاحب! ہمارے یہاں بیماری پھیلی ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہمارے بہت سے دوست مر رہے ہیں۔''

بھالو میاں نے کچھ دیر سوچا پھر دوا دی اور کچھ ہدایات کیں۔

''کچھ دنوں میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ان شاء اللہ'' سب نے مل کر کہا اور واپس چل دیے۔

جب سب واپس پہنچے تو بندر میاں سر جھکائے بیٹھے تھے۔ جب چھنٹو پہنچی تو بندر کا سر دو فٹ اور زمین میں گڑھ گیا، اس نے آگے بڑھ کر چھنٹو سے معافی مانگی اور عہد کیا وہ دوبارہ کبھی ایسا سوچے گا بھی نہیں۔

''تمہیں مجھ سے نہیں ان بیماروں سے معافی مانگنی چاہیئے۔ جن کو تم نے کہا۔''

''جی چھنٹو! میں ضرور ہر بیمار سے جا کر معافی مانگوں گا۔ بیماروں کے گھروں میں دوا پہنچانے کی خدمت کون انجام دے گا؟ میں یہ کام کروں گا۔

اس طرح میں سب سے معافی بھی مانگ سکوں گا۔''

''ہوں...اب یہ ہمارا بے رحم، خود غرض اور کام چور بندر نہیں۔

بلکہ اب یہ ہمارا رحم دل، باوفا بندر ہے۔''

چھنٹو خوشی سے اچھلی اور پھر بندر کے ساتھ بغلگیر ہوگئی کچھ دنوں بعد وہ ایک جگہ سے گزر رہے تھے کہ ان کی نظر چقندر پر پڑی تو سب نے ملکر نعرہ لگایا:

اب ہمیں کھلائے گا چقندر۔

عقل مند بندر عقل مند بندر۔

دوسروں کی مدد کر کے ان کا خیال رکھ کے

انہیں کریں خوش اور پھر خود بھی رہیں خوش۔

☆......☆......☆

بقیہ:

منزل ہے فردوس بریں

میں ان دنوں پہلے سے زیادہ مالدار تھا۔ میں نے سوچا کہ میں جلدی ہی تیاری کرلوں۔

میں تیاری میں آج کل کرتا رہا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تبوک کی جانب روانہ ہو گئے۔

پھر میں نے سوچا کہ میں تیاری کر کے انہیں راستے میں جاملوں گا، لیکن ایسا نہ کرسکا۔ یہاں تک کہ رسول ﷺ واپس تشریف لے آئے، جب مجھے آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو مجھے شدید فکرلاحق ہوئی نبی کریم ﷺ نے حسب معمول مسجد نبوی شریف میں نماز ادا فرمائی اور وہیں تشریف فرما رہے۔

جو منافقین جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے، وہ آپ کی خدمت اقدس میں آکر مختلف بہانے بنانے لگے۔ جب وہ چلے گئے تو میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے مجھ سے جنگ میں شریک نہ ہونے کی وجہ دریافت فرمائی۔

میں نے عرض کیا کہ میں اگر آپ کے بجائے کسی دنیادار حکمران کے پاس بیٹھا ہوتا تو میں اُسے جھوٹ بول کر راضی کر لیتا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے جھوٹ بول کر آپ کو راضی کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت سے باخبر کر کے آپ کو مجھ سے ناراض کر دیں گے۔

میں نے آپ ﷺ کو سچ بتا دیا کہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا۔ آپ نے مجھے اللہ کے فیصلے کا انتظار کرنے کے لیے واپس بھیج دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم پر نبی کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو مجھ سے بات کرنے سے منع فرما دیا۔

آپ کے اس حکم کے بعد میں بازار میں نکلتا لیکن کوئی مجھ سے بات نہ کرتا، میں مسجد نبوی میں نماز ادا کرتا جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ مجھ سے نظر مبارک پھیر لیتے۔

ایک دن میں اپنے چچا زاد بھائی اور دوست ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی طرف گیا، میں نے انہیں سلام کیا، پھر میں نے اُن سے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے، انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، میں نے تین مرتبہ یہی دہرایا تو انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

یہ سن کر میرے آنسو بہہ نکلے ان دنوں میری وہی حالت تھی جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے، واقعی زمین اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی تھی۔

اسی حالت پچاس دن گزر گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

دیکھو میرے بھائی ! حضرت کعب رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں، اُس جماعت کے فرد ہیں جنہیں رضی اللہ عنہم کا اعزاز حاصل ہے اور اس غزوہ سے قبل متعدد غزوات میں شرکت فرما چکے ہیں لیکن ایک غزوہ میں شریک نہ ہونے پر انہیں کتنی سخت تنبیہ کی گئی ؟ خود سوچو کہ جہاد پر اعتراض کرنے والے کس سزا کے مستحق ہوں گے اور ان کا کیا انجام ہوگا؟:

''اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔

تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ان شاء اللہ میں دوسروں کو بھی ان حقائق سے آگاہ کروں گا اور خود بھی میدان جہاد میں نکلوں گا تا کہ ان وعیدوں سے بچ سکوں۔''اویس نے کہا

''الحمدللہ! تمہیں میری بات سمجھ آ گئی۔تو کب چل رہے ہو دورہ تربیہ کے لیے؟''

''دورہ تربیہ کیا ہے؟''

''مجاہدین نے جہاد کی عملی تربیت سے پہلے دورات کی تدریس کا اہتمام کیا ہے تا کہ مجاہدین پہلے جہاد کو قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھیں اور نیک اعمال کے پابند بنیں، پھر عملی جہاد کے لیے نکلیں تا کہ ان کا جہاد شریعت کی روشنی میں ہو۔''

''ٹھیک ہے، میں دورہ تربیہ کے لیے تیار ہوں۔''

دونوں نے مرکز شریف میں دورات مکمل کیے اور جہاد کی عملی تربیت حاصل کرنے کے بعد آج وہ اپنے گروپ کے ساتھ محاذ کی طرف رواں دواں تھے۔

دھرتی ان جانبازوں پر فخر کر رہی تھی اور آسمان مسکرا کر انہیں کامیابی کی دعائیں دے رہا تھا۔ چند دن قبل سنی نظم کے یہ الفاظ اُن کے کانوں میں گونج رہے تھے اور اُن کا حوصلہ بڑھا رہے تھے:

نکلے جہادی قافلے ہیں جنتوں کی راہ میں
منزل ہے فردوس بریں رضائے رب کی چاہ میں

☆......☆......☆

اسباب رزق قرآن مجید میں

1 تقوی

2 توکل

3 نماز

4 استغفار

5 انفاق فی سبیل اللہ

6 اسباب کو اختیار کرنا

☆......☆......☆

ایک تسبیح

انسان کے نامہ اعمال میں لکھی ایک تسبیح بھی دنیا اور اُس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے کیونکہ دنیا اور اِس میں موجود ہر چیز فنا اور ختم ہو جائے گی جبکہ تسبیح اور نیک عمل باقی رہے گا!

عروہ بن زبیر



وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارہابی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفل میں موجود تھے۔ اردگرد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جمع تھے۔ ایسے میں ایک خاتون آئیں۔

انہوں نے کچھ چادریں اٹھا رکھی تھیں۔ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیں اور عرض کی:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے یہ نیت کر رکھی تھی کہ یہ کپڑے عرب میں سب سے بزرگ ہستی کو دوں گی، اب یہ آپ کی خدمت میں لائی ہوں۔''

اس وقت ایک نوعمر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب موجود تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا ہدیہ قبول فرمایا اور پھر اس سے فرمایا:

''یہ کپڑا اس لڑکے کو دے دو!''

ان خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور وہ کپڑا اس لڑکے کے حوالے کر دیا۔

یہ نوعمر لڑکا کون تھا؟

آئیے پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا، اس وقت ان کی عمر 9 سال تھی۔ آپؓ یتیم

تھے اور آپؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کی گود میں پرورش پائی۔آپ کی شادی بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے ہوئی۔

ایک بار انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بلوایا۔جب ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے آپؓ کی قابلیت وصلاحیت کی تعریف کی اور فرمایا:

''اپنی صلاحیتوں کو اور بڑھاؤ''

جب حضرت عثمانؓ نے جمع قرآن کے لیے ایک کمیٹی بنائی، اس میں آپ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپؓ کے ذمے قرآن مجید کی عربیت کا خیال رکھنا تھا۔یہ ذمہ داری اس لیے سونپی گئی کہ آپ کا لہجہ بڑا فصیح تھا۔کچھ روایات میں آتا ہے کہ ان کا لہجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجے کے مشابہ تھا۔اس دور میں آپؓ ''أفصحُ النّاس''اور''أعربُ النّاس'' کے القابات سے مشہور تھے۔

35 ہجری میں جب باغیوں نے امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کیا تو انھوں نے کچھ دوسرے نوجوان صحابہ کے ساتھ مل کر خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا فرض انجام دیا۔

اس سلسلہ میں باغیوں کے ساتھ جھڑپ میں وہ شدید زخمی بھی ہوئے۔

آپ کی وفات 58 ہجری میں ہوئی۔ان کی وصیت کے مطابق انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

نوٹ: ان صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بتائیے۔

☆......☆......☆

وہ کون تھے شمارہ ذیقعدہ کا درست جواب:

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ ذی القعدہ کے انعام یافتہ

عنابیہ رفیق

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

محمد احمد میر۔کفایت اللہ۔محمد عابد۔محمد خلیل اللہ۔عمار حسین۔ابن عبدالہادی۔ حبیبہ کلثوم۔نسیم احمد۔محمد خالد۔دانیال حسن۔محمد عمر چغتائی۔کلیم اللہ۔ہمشیرہ محمد فاروق۔ محمد عمر۔عبدالمجید شاکر۔بنت نورالٰہی۔



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!
پیسے ڈبل کرنے کا طریقہ بتا دیں!
(محمد ابراہیم)

جواب:
میں بوجھ بجھکڑ ہوں سیاستدان نہیں۔

☆......☆......☆

سوال: محترم بوجھ بجھکڑ!
سائنسدانوں کی نئی تحقیق سامنے آئی ہے کہ پانی میں کچھ دن رہنے سے زندگی بڑھ جاتی ہے۔
آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟
(محمد ابوبکر)

جواب:
آپ تجربہ کر کے بتائیں تاکہ سب کا بھلا ہو۔

☆......☆......☆

سوال: محترم بوجھ بجھکڑ!!
وہ کیا چیز ہے جس کو جتنا کھالو بھوک ختم نہیں ہوتی؟
(بنت کلثوم)

جواب: پاپ کارن

☆......☆......☆

سوال: جناب امام العقلاء، شاہِ نبلاء بوجھ بجھکڑ صاحب! میں اب پڑھائی سے فارغ ہوا ہوں میں اب کچھ کرنا چاہتا ہوں مشورہ دیں کیا

کروں میری عمر 70 سال ہے۔

(عابد الرحمن)

جواب:

صبح شام قبرستان کا ایک ایک چکر لگا یا کریں!

☆......☆......☆

سوال: اردو کا وہ کونسا لفظ ہے جو ایک کلو میٹر سے بھی لمبا ہے؟

(نور احمد)

جواب: ڈیڑھ کلو میٹر

☆......☆......☆

سوال: محترم بوجھ بجھکڑ!

میرے ایک دوست کی شادی ہونے والی ہے اس کو کچھ ہدایات دے دیں۔

(حذیفہ فاروق)

جواب: حفاظت کی دعاؤں کا اہتمام کریں!

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

آج کل گرمی بہت بڑھ گئی ہے اسکو کم کرنے کا کوئی آسان حل بتائیں؟

(بنت نور الٰہی)

جواب:

اگلے مہینے کا سوچا کریں یہ خود بخود کم محسوس ہو گی

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

آپ کو گلاب جامن کتنے فیصد مرغوب ہیں؟

(ہمشیرہ محمد احمد)

جواب: جتنے فیصد یہ سوال درست ہے۔

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

السلام علیکم!

یہ بتایئے کہ آپ کو بوجھ بجھکڑ بننے کے لئے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے؟

(عائشہ فاروق)

جواب:

پاپڑ دوسروں نے بیلے بوجھ بجھکڑ میں بن گیا

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

جب آپ کی کوئی امید پوری نہ ہو تو آپ پر کیا گزرتی ہے؟ بس یا ریل گاڑی؟

(عائشہ فاروق)

جواب: بلڈوزر

☆......☆......☆

دین کی اہمیت

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے فرمایا:

”دین میں دنیوی مصالح سے متاثر ہونا سب کمزوری کی باتیں ہیں۔ بڑی چیز دین ہے۔ یہ محفوظ رہے خواہ تمام مصالح بلکہ سارا عالم فنا ہو جائے کچھ پرواہ نہیں۔“ (ملفوظات)

(خالد محمد)

☆......☆......☆

محترمی ومکرمی ایڈیٹر صاحب مسلمان بچے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک مرتبہ پھر مسلمان بچے میں حاضری کا شرف حاصل کر رہے ہیں ۔بہت عرصے کے بعد مسلمان بچے 2024 فروری کا دیکھا۔ماشاءاللہ پہلے سے کافی بہتر ہوگیا ہے۔لکھنے والے خوب لکھ رہے ہیں۔

محمد مستقیم کی سولفظی کہانی بہت زبردست سلسلہ ہے۔وہ کون تھا یہ سلسلہ بھی ہمیں بہت پسند آیا۔راز



سربستہ اور قسط وار کہانیاں زبردست جارہی ہیں۔

آپ کی پسند میں بھی انتخاب خوب ہوتے ہیں۔

دانش کدہ بھی اپنی آن شان سے براجمان ہے۔

بہت عرصے بعد لکھنے کی سعادت حاصل کر رہی ہوں، اب تو میرا دل لکھنے کو کہا اس لئے دو کہانیاں لے کر حاضر ہوں، ایک مختصر کہانی بہادری کا صلہ، دوسری سرپرائز سپیشل رمضان المبارک کی ہے۔

امید ہے شائع کر کے حوصلہ افزائی کریں گے اگر کوئی غلطی ہوئی ہو اس کے لئے پیشگی معذرت۔میری کہانیاں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں، بڑی امید سے لکھی ہیں، طبیعت ناساز تھی پھر بھی لکھی ہیں۔

والسلام

رافعہ میمونہ بی بی

☆......☆......☆

میرے پیارے بھائی ابوامامہ صاحب!!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔اور آپ کی زندگی میں رنگ برنگ پھول کھل رہے ہوں گے اور آپ ان سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔آپ کی تحریر کا انتظار رہتا ہے جب بھی لکھتے ہیں ماشاءاللہ بہت خوب لکھتے ہیں۔بھائی جان آپ سے درخواست ہے کہ ایک تحریر موبائل

فون کی بے حیائی پر لکھ دیں۔ اس آلے نے بہت سے مسلمان نوجوان لڑکے لڑکیوں کی زندگی کو تباہ کر دیا ہے۔ مسلمان بچے بہت زبردست اور ایمان افروز رسالہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطاء فرمائیں آمین

والسلام

آپ کا بھائی

(محمد حذیفہ، چنیوٹ)

☆......☆......☆

محترم بھائی ابو امامہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے مسلمان بچے کی توصیف کے لئے قلم کو جنبش دے رہا ہوں۔

مسلمان بچے خوبصورت ٹائٹل اور بہترین ورق کے ساتھ ہر ماہ ہمیں پیش کرتا ہے قرآن و حدیث کا زبردست مجموعہ، حمد و نعت کا حسین گلدستہ، نئے نئے قسم کے مضامین، ہنستی مسکراتی تحریریں، فریضۂ جہاد کے متعلق بیش بہا خزانہ، تحریروں کی دنیا میں حیرت انگیز اور عبرت انگیز واقعات، مجاہدین اسلام کی عجیب و غریب داستانیں، آرٹ گیلری میں دلکش نمونے، بزرگوں کے حالات و واقعات، آپکی پسند میں رنگ برنگے اشعار، جناب بوجھ بجھکڑ صاحب کے حکیمانہ جوابات، آدھی ملاقات میں قارئین کے تعریف و تنقید سے لبریز خطوط اور بہت کچھ۔

مکمل رسالہ پڑھ کر جو خوشی حاصل ہوتی ہے اس کا اندازہ آپ میری اس ٹوٹی پھوٹی تحریر سے لگا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو مزید ترقیوں سے نوازے آمین

(محمد قاسم، کراچی)

☆......☆......☆

جناب محترم مدیر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ!!

آپ کا یہ رسالہ اندھیرے میں ایک روشن مینارہ وستارہ ہے۔ ہر طرف مایوسیاں پھیلی نظر آتیں ہیں۔ کوئی سا بھی رسالہ یا اخبار اٹھائی جائے تو اس میں پردے کے خلاف، جہاد کے خلاف، اسلامی قانون کے خلاف لکھا نظر آتا ہے۔ دکھ اس بات پر نہیں کہ یہ لکھاری کوئی کافر ہیں بلکہ دکھ صرف اور صرف اس بات کا ہے وہ مسلمان جس کا کام ہی اسلام کی آبیاری اور دین کی سربلندی ہے لیکن آج وہ نام کا مسلمان خود اپنے اسلام پر اعتراض کرتا نظر آتا ہے۔ کیسے مان لیا جائے کہ ایک آدمی مسلمان بھی ہے اور جہاد کے خلاف، جہاد کرنے والوں کے خلاف بھی ہے۔ اور اس کا قلم مسلمان کے خلاف چلے گا۔ صرف اور صرف اس وجہ سے کہ کافر اس سے خوش ہو جائیں اور اسے کہیں پکڑ نہ لیا جائے۔ ہمارے اسلاف نے تو ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ اسلام کی خاطر اگر جان دینی پڑے تو وہ بھی دے دو۔ لیکن اسلام پر آنچ نہ آنے دینا۔ لیکن آج ہمیں اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی

ضرورت ہے۔ ماشاء اللہ آپ کا یہ رسالہ اسلام کی سربلندی میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس میں ہمیں بزرگوں کے اقوال بھی ملتے ہیں نفس کی اصلاح بھی اور دین پر مر مٹنے کا جذبہ جسے جہاد فی سبیل اللہ (قتال فی سبیل اللہ) کہتے ہیں بھی ملتا ہے۔ حدیث کے مطابق اسلام کی سب سے زیادہ بلندی اس کی چوٹی، اس کی کوہان جہاد ہے۔

(سیف اللہ خالد، ہری پور، ہزارہ)

☆......☆......☆

جناب ابوامامہ صاحب

امید ہے کہ آپ اور مسلمان بچے کی پوری ٹیم خاص کر امام العقلاء شاہ نبلا جناب بوجھ بجھکڑ صاحب خیریت سے ہوں گے ہم بھی آپ سب کے لئے دعا گو ہیں۔

بھائی صاحب! سب سلسلے بہت ہی مزیدار ہیں کہکشاں، آدھی ملاقات، آپ کی پسند۔

بھائی صاحب ہم نے بھی کہانیاں اور تحریریں بھیجی تھیں۔ کچھ تو شائع ہوگئیں اور باقی شائد نمبر کے انتظار میں ہیں۔ یا پھر ردی کی ٹوکری کی نذر ہوگئی ہیں۔ بھائی صاحب! ماشاء اللہ مسلمان بچے اپنے عروج پر ہے اور اللہ سے دعا ہے کہ ہمیشہ اسی طرح قائم و دائم رہے۔ سورج کی طرح کرنیں نچھاور کرتا رہے۔ چاند کی طرح رات کی تاریکیوں میں بھی چمکتا رہے۔ کہکشاؤں کی طرح دمکتا رہے۔ ستاروں کی طرح جگمگاتا رہے۔ پھولوں کی طرح مہکتا رہے۔ مسلمان بچوں کی طرح پھلتا پھولتا رہے۔ اور ہماری تحریریں اور کہانیاں اس میں چھپتی رہیں۔ آخر میں سب مسلمانوں کے لئے اور خاص کر مجاہدین کے لئے دعاء گو ہوں۔

(ہمشیرہ محمد احمد)

☆......☆......☆

محترم مدیر صاحب!

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے مسلمان بچے اور اس میں چھپنے والی خوبصورت کہانیاں اتنی مزے دار ہوتی ہیں کہ آج تک میں نے کسی اور رسالوں میں کتابوں میں نہیں دیکھی مکھن نہیں لگا رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں دعا ہے اللہ تعالیٰ اس پیارے جماعت کو ہمیشہ سلامت رکھے اور ہمیشہ جڑے ررکھے آمین ثم آمین، مدیر صاحب ہمارے اس انوکھا خبرنامہ کو پلیز پلیز شائع کرئیں پلیز آپکی مہربانی ہوگی میں نے بڑی محنت سے لکھا ہے تقریبا اسے ترتیب دینے میں مجھے آٹھ دن لگے پلیز کردیں باقی اللہ تعالیٰ آپکو خوش وخرم رکھے اللہ آپکو ہم سب کو دین کا کام کرنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین

بنت سید اعجاز شاہ

☆......☆......☆

☆......☆......☆

☆......☆......☆



خون میں ڈوبی عید

نبیوں کی سرزمین، فلسطین، خوبصورت سی عید الاضحیٰ کی دسویں تاریخ کے چاند کی روشنی پورے آسمان پر پھیلی ہوئی تھی۔ فاطمہ کے چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی وہ کسی گہری سوچ میں گم چاند کو دیکھ رہی تھی اس کی روشن آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے گویا کہ گرنے کے لیے بیقرار ہوں۔

کل عید کا دن تھا اور آج اسے شدت سے اپنے والدین یاد آرہے تھے اور وہ دن بھی جب وہ اس کے والدین اور دو چھوٹے بہن بھائی ایک خوبصورت گھر میں رہتے تھے جہاں صرف سکون اور خوشیاں بستی تھیں اُسے یاد آرہا تھا جب شام کو بابا جان کام سے گھر لوٹے تو اس کے چھوٹے بہن بھائی بابا جان سے لپٹ جاتے۔ بابا جان ان کے سامنے کھانے کی چیزوں کے ڈھیر جو وہ کبھی بھی نہیں بھولتے تھے۔

اسے یاد آرہا تھا رات کا کھانا اور عشاء کی نماز کے بعد بابا جان حضور ﷺ کی زندگی کے بارے میں بتاتے اور یہ بھی کہ یہی حق کا راستہ ہے زندگی میں کبھی بھی اس راستے کو مت چھوڑنا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو اس کے گال سے ہوتا ہوا اس کے ہاتھ پر گرا جس سے وہ چونک گئی۔ آسمان پر اب ہلکے ہلکے بادل آچکے تھے جنہوں نے چاند کو چھُپا دیا تھا ہلکی ہلکی ہوا بھی لگ رہی تھی اس نے آنسو صاف کیے اور پھر ان سوچوں میں کھوگئی اسے یاد آرہا تھا بابا جان اکثر اُسے

حضرت عمرؓ کی فتوحات کے بارے میں بتاتے جب انہوں نے بیت المقدس فتح کیا تھا اور پھر صلاح الدین ایوبی کی فتوحات کے بارے بتاتے کہ کس طرح انہوں نے بھی بیت المقدس فتح کیا تھا اور اب وہ اکثر سوچتی تھی کہ اب کوئی مسلم حکمران ایسا نہیں رہا جو ہماری مدد کو آئے اور جو ہمارے درد کو اپنا درد سمجھے۔اسے یاد آرہا تھا کہ کس طرح وہ عید الاضحیٰ کے موقعے پر اپنے گھر میں خوشیاں مناتے تھے قربانی کرتے تھے مزے مزے کے کھانے کھاتے تھے۔

وہ مسکرائی!! پھر اچانک اس کے چہرے پر غم کے بادل چھانے لگے جب اسکی آنکھوں کے سامنے وہ منظر دوڑنے لگے جب ایک شام صیہونی فوجیوں کے حملے میں اس کے والدین اور بھائی بہن شہید ہوئے تھے۔

اس کے سر سے وہ شفقت بھرے ہاتھ اُٹھ چکے تھے اس کی زندگی میں اندھیرا چھا گیا تھا اپنے ماں باپ کی خون میں ڈوبی لاشیں اس کے سامنے تھیں اس کا دل جل رہا تھا۔

لیکن وہ... وہ ثابت قدم رہی تھی وہ اپنے آنسو روکنے میں کامیاب رہی تھی اسکے خاندان میں صرف وہ اور اس کا چھوٹا بھائی بچے تھے باقی سب شہید ہو گئے تھے۔

اب اُسے اپنے بھائی کے لیے ثابت قدم رہنا تھا جو اس سے لپٹ کے رو رہا تھا اور وہ مسلسل اُسے دلاسے دے رہی تھی اور اُسے صبر کرنے کا کہہ رہی تھی۔

اس کا بھائی ہی اب اس کے لئے سب کچھ تھا اب اُسے ہی اپنے چھوٹے سے بھائی کی ماں بننا تھا۔

کل بھی عید کا دن ہے لیکن بابا جان، امی جان اور چھوٹے بہن بھائی ساتھ نہیں ہیں اور یہ کیسی عید ہے جو خون میں ڈوبی ہوئی ہے کیا دنیا کے مسلمان ہمیں بھول گئے ہیں اس نے اپنے آپ سے سوال کیا اور آنسوؤں کا سیلاب اس کی آنکھوں سے اُمڈ آیا۔

اس کا چھوٹا بھائی بھی اسکے پاس آ کر بیٹھ گیا وہ مسلسل چاند کو دیکھ رہی تھی اور اپنی ہی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی چاند کبھی کبھی بادلوں کی اوٹ سے جھانکتا اور پھر چھپ جاتا چھوٹے بھائی نے چاند کی طرف دیکھا اور بولا

”آپی کل عید ہے نا؟ وہ آواز پر چونک پڑی اسے معلوم بھی نہیں تھا کہ اس کا بھائی کب کا آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا اس نے اپنے آنسو صاف کیے کیونکہ وہ کبھی بھی اپنے بھائی کے سامنے نہیں روئی تھی۔

آپی! ہم تو ہمیشہ عید اپنے گھر میں امی، بابا اور بھائی بہنوں کے ساتھ مناتے تھے اب ان کے بغیر کیسے منائیں گے۔ اس نے جواب کا انتظار کیے بغیر ایک اور سوال پوچھا آپی کل ساری

دنیا کے مسلمان عید منائیں گے کیا وہ ہمیں بھی یاد رکھیں گے یا پھر اپنی خوشیوں میں کھو کر وہ ہمیں بھول جائیں گے؟

اپنے بھائی کے معصوم سوال پر اس نے شفقت سے بھائی کی طرف دیکھا پہلی بار اپنے بھائی کے سامنے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے لیکن اس کے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ تھی وہ خاموش تھی کیونکہ ان سوالوں کے جواب وہ اکثر خود سے پوچھا کرتی تھی۔

کشف خالد

☆......☆......☆

عید کا دن کیسے گزاریں؟

اہل اسلام کو عید کے دن اللہ رب العزت کی خوشنودی اور رضا کی طلب ہوتی ہے۔اہل اسلام کی عید اپنے اندر اطاعتِ خداوندی، اسوہ نبوی، جذبہ ایثار و قربانی، اجتماعیت، غریب پروری، انسانی ہمدردی رکھتی ہے۔ جانور کی قربانی کرنا دراصل اسلامی احکامات پر عمل کرنے کے لیے خواہشات کی قربانی کا سنگ میل ہے۔ یہ دن کیسے گزارا جائے آئیے شریعت کی رہنمائی میں چند باتیں دیکھتے ہیں۔

عید کے دن کرنے کے کام:

1: بہتر ہے کہ عید الاضحیٰ والے دن نماز عید کے بعد قربانی کے گوشت سے کھانے پینے کا آغاز کریں (اس سے پہلے کچھ نہ کھائیں پیئیں)

2: غسل کرنا

3: خوشبو لگانا

4: مسواک کرنا

5: عمدہ، صاف، پاک اور اچھا لباس پہننا

6: عید کی نماز کے لیے ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا

7: عید گاہ تک پیدل جانا

8: بلند آواز سے تکبیر تشریق کہنا

مکروہ: عید کے روز عید کی نماز سے قبل گھر میں یا عید گاہ میں کوئی بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

عید کی نماز کا وقت:

عیدین کی نماز کا وقت سورج کے اچھی طرح نکل آنے سے شروع ہوتا ہے۔

نماز عید پڑھنے کا طریقہ:

عید کی نماز دو رکعت ہے۔عام نماز اور عید کی نماز میں یہ فرق ہے کہ اس میں چھ تکبیریں زیادہ کہی جاتی ہیں۔تکبیرِ تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھ کر ثنا پڑھی جائے گی، پھر وقفے وقفے سے دو دفعہ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دیے جائیں گے اور پھر تیسری دفعہ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھ لئے جائیں گے۔ پھر امام صاحب باآوازِ بلند سورۃ الفاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھیں گے۔پھر رکوع اور سجدہ جیسا کہ باقی نمازوں میں ادا کرتے ہیں اسی طرح کریں گے۔دوسری رکعت میں امام صاحب

کے بآوازِ بلند سورۃ الفاتحہ اور کوئی سورت پڑھنے کے بعد، رکوع میں جانے سے پہلے امام صاحب کی پیروی میں وقفے وقفے سے تین دفعہ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دیے جائیں گے اور پھر چوتھی دفعہ تکبیر کہتے ہوئے رکوع کیا جائے گا۔

عیدین کا خطبہ:

عید کی نماز کے بعد امام صاحب جمعہ کی طرح دو خطبے دیں گے جن میں عید اور قربانی کے احکامات بیان فرمائیں گے۔

ایامِ تشریق:

ایامِ تشریق 9 ذوالحجہ نماز فجر سے لیکر 13 ذوالحجہ نماز عصر تک۔

تکبیراتِ تشریق کا حکم:

ایامِ تشریق میں ہر فرض نماز کے بعد ایک بار تکبیرِ تشریق کہنا ہر نمازی پر واجب ہے۔

تکبیراتِ تشریق کے الفاظ:

اَللّٰہُ اَکبر، اَللّٰہُ اَکبر، لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبر، اَللّٰہُ اَکبر، وَلِلّٰہِ الحَمدُ

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اور تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔

قربانی کے جانور:

عیدالاضحی کی نماز کے بعد صاحبِ استطاعت لوگ اللہ کی راہ میں گائے، بھینس، بھیڑ، بکری یا اونٹ (نر یا مادہ) خالص اللہ کی رضا کیلئے ذبح کریں گے۔

قربانی کا وقت:

مستحب وقت یہ ہے کہ خطبہ عید کے بعد قربانی کریں۔ پہلا دن قربانی کے لیے سب سے افضل ہے، پھر دوسرے دن کا درجہ ہے، پھر تیسرے دن کا۔ کسی ایک جگہ نماز عید کا ہو جانا قربانی کے جانور ذبح کرنے کے لیے کافی ہے، اگر شہر میں متعدد جگہ نماز عید ہوتی ہے تو قربانی کی صحت کے لیے ایک جگہ نماز ہو جانا کافی ہے۔

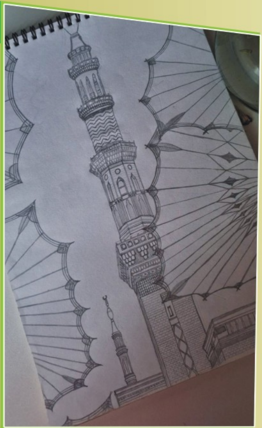
گوشت کی تقسیم:

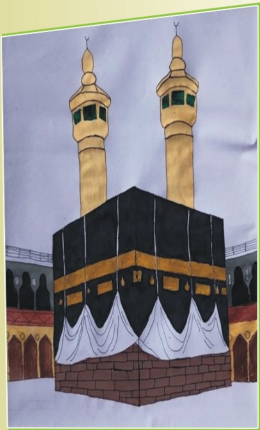
اس کے بعد مرحلہ پیش آتا ہے گوشت کو تقسیم کرنے کا۔ اگر وزن کی مشقت سے بچنا چاہیں تو اس کی آسان تدبیر یہ ہے کہ سری پائے یا کلیجی کے ٹکڑے کر کے ہر حصہ میں ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا جائے۔ اس طرح اندازہ سے تقسیم کرنا بھی جائز ہو جائے گا۔ اگر کسی نے پورا جانور اپنے گھر کے افراد کے لیے رکھ لیا تو تقسیم کرنا ضروری نہیں، مثلاً: گائے خریدی اور اس کا ایک حصہ اپنے لیے، ایک حصہ بیوی کے لیے اور باقی حصص بالغ اولاد کے لیے رکھ لیے، پھر ذبح کرنے کے بعد پورا گوشت تقسیم کئے بغیر گھر میں رکھ لیا اور سب ایک ہی گھر میں رہتے اور کھانا مشترک کھاتے ہیں تو جائز ہے۔

مولانا محمد کلیم اللہ

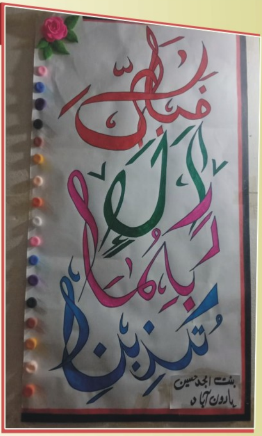
آرٹ گیلری



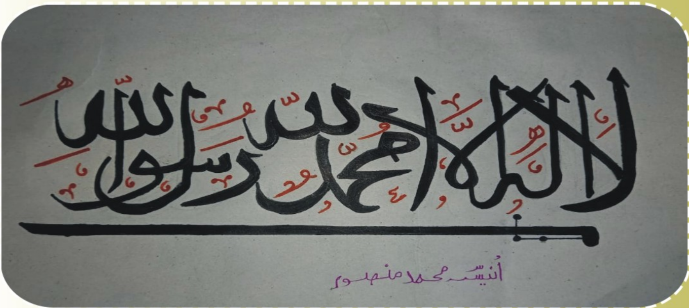




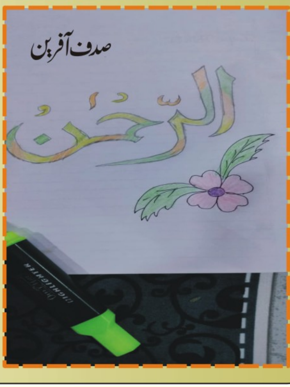


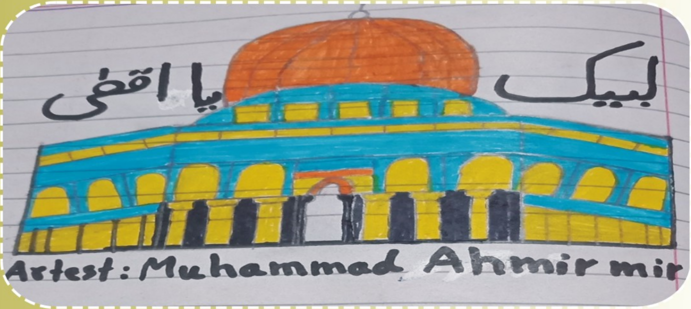

فبأي آلاء ربكما تكذبان
بنت امجد حسین
ہارون آباد




لا اله الا الله محمد رسول الله
انیسہ محمد منصور


الله أكبر
Anam


صدف آفرین
الرحمن


لبیک یا اقصیٰ
Artest: Muhammad Ahmir mir

عنابیہ طلحہ




غزہ کے معصوم شہداء کو
سلام پیش کرتی ہیں
خدیجہ غفاری، رقیہ غفاری
لیٹی تلہ گنگ


Rashid
09.08.23



آشیاں کی خیر ہو

ہر طرف سے ہیں خزاں کی سازشیں
لہلہاتے گلستاں کی خیر ہو

پھر سے لب سلنے کا موسم آگیا
بلبلِ شیریں بیاں کی خیر ہو

باغباں صیاد سے ملنے لگے
طائرانِ ناتواں کی خیر ہو

آندھیوں کی نیتوں میں ہے فتور
باغ کے ہر آشیاں کی خیر ہو

رہبروں کی رہزنوں سے دوستی
اے خدایا کارواں کی خیر ہو

اُگ رہی ہیں جا بجا خود غرضیاں
رنگِ بزم دوستاں کی خیر ہو

رقص ہے ابلیس کا چاروں طرف
میرے ہر پیر و جواں کی خیر ہو

دین و ملت اور وطن خطرے میں ہیں
ان کے ہر اک پاسباں کی خیر ہو

ٹوٹ کر گرنے لگے شمس و قمر
جگمگاتی کہکشاں کی خیر ہو

خیمہ زن ہیں ڈھیر پر بارود کے
اس زمین و آسماں کی خیر ہو

اُن کی نظروں کا ہے انورؔ سامنا
تابِ جگرِ خونچکاں کی خیر ہو